

श्रीदत्तात्रेय विरचितावधूत-
गीता उर्दू अनुवाद सहिता !

تو عشق صفت ہے ہرجائی ‌ ‌ ‌ جذب آسا مائل تنہائی

عالم ہے فروغِ حسن ترا ‌ ‌ ‌ اے دل کر ترکِ من و مائی

ترانہ مجذوب

یعنی

اودہوت گیتا مصنّفہ شری سوامی دتاتریہ کا

اُردو اشعار میں اشلوک وار ترجمہ معہ تفسیر

مرتبہ

پنڈت دینا ناتھ مدن معجز دہلوی - بی-اے

ماہ جون ۱۹۳۵ء

طبع اوّل ۵۰۰ جلد قیمت فی جلد عہ

کتاب ترانۂ مجذوب کے ملنے کا پتہ
پنڈت دینا ناتھ مدن۔ بی۔ اے معجز دہلوی
لال حویلی محلّہ چوڑیگراں دہلی



دینا ناتھ مجروح دہلوی بی۔ اے

سوز اور ساز میں مصروف ہیں پروانہ و شمع
بزم فانی کا نظارہ ہے مقدر اپنا



غزل بطورِ تمہید او دھوت گیتا

نظر وقفِ تجلّی ہے تصوّر کیف ساماں ہے
کسی کے دیدہ و دل پر مئے اُلفت کا احساں ہے

خدائی کا امانت دار کوئی اہلِ عرفاں ہے
خودی کا بار کش یوں تو ہر اک گبر و مسلماں ہے

تو بے نام و نشاں ہے پھر بھی ذوقِ دید سے تجھ پر
کہیں پردے کی تہمت ہے کہیں جلوے کا بہتاں ہے

مساواتِ نظر سے اہلِ باطن دیکھ لیتے ہیں
کہ نیرنگِ جہاں میں جلوۂ وحدت نمایاں ہے

ہمہ و با ہمہ و بے ہمہ جیسے مناظر ہیں
ترا حُسنِ خود آرا درسگاہِ چشمِ حیراں ہے

شبستانِ فنا کو پردۂ ظلمات کہتے ہیں
حیاتِ جاودانی کے سوا کیا آبِ حیواں ہے

نگاہِ شوق بڑھتی جا نہ کر کچھ جان کا خطرہ
خمِ گیسوئے جاناں سے نمودِ دارِ پیچاں ہے

تلاطم خیزیٔ احساس تک تھی عافیت دل کی
سکونِ بحرِ عرفاں میں فنائے کشتیٔ جاں ہے

دلِ محزوں میں جذبِ شوق کی ہر فتنہ سامانی
یہ چشمِ بلبلہ آشوب گاہِ بادِ طوفاں ہے

وہ رُوحِ پاک زندانی ہے کیونکر اپنے جلووں میں
کھُلے ہیں جس کے سو رستے یہ کیسا تن کا زنداں ہے

عناصر سے جُدائی جان کی مشکل سے مشکل تھی
رگِ جاں سے نکل کر اب تو وہ مشکل بھی آساں ہے

مآلِ زندگی ہے خواب و خور جس کی نگاہوں میں
نمائش گاہِ فطرت میں وہ حیوانِ شکلِ انساں ہے

ثنا خوانی کرائے معجزؔ اب اُس مجذوب کامل کی
یہ دُنیائے ادب مدّت سے جس کے زیرِ احساں ہے

معجزؔ دہلوی

वराहमूल काश्मार

اودہوت دتاتریہ کے حالاتِ زندگی

زمانۂ حال سے قریباً چھ ہزار سال پیشتر خطۂ کشمیر جنت نظیر میں دراہول (موجودہ بارامولہ) کے مقام پر اتری نامی سارسوت برہمن پیدا ہوئے تھے جنھوں نے اپنے عہدِ طفولیت میں مروجہ زبانِ سنسکرت کی تعلیم و تربیت پائی اور سنِ بلوغ کو پہنچکر مرتاض کی زندگی اختیار کی، اُسوقت وہ ایک دہرم شاستر کے مصنف ہوئے جواب اتیرے دہرم شاستر کہلاتا ہے۔ اُسکے مطالعہ سے اہلِ شوق اُنکی علمی استعداد کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اُن کی زوجۂ محترمہ کا نام انسویا تھا۔

یہ وہی مرتاض ہیں جو کہ اپنی وفادار بیوی کو ساتھ لیکر وطن مالوف سے چلدئے اور وسط ہند میں پہنچکر چترکوٹ کے نزدیک پُرفضا مقام پر سکونت پذیر ہوئے۔ جسوقت مہاراج رامچندر کا اپنے بن باس کے شروع میں اُسطرف سے گذر ہوا۔ تو انھوں نے اُن کی میزبانی کا فرض ادا کیا اور یہ اپنے معزز مہمان کے اوصافِ حمیدہ سے کمال متاثر ہو کر ثنا گو ہوئے۔ نیز اِنکی نیک خصلت اور تعلیم یافتہ زوجہ نے شریمتی سیتاجی کو جو اپنے شوہر کے ہمراہ تھیں ایک باعصمت اور حیادار عورت کی اعلیٰ زندگی سے آگاہ کیا۔

اتری رشی ابھی کشمیر میں ہی تھے کہ انسویا کے بطن سے تین فرزند پیدا ہوئے دتاتریہ۔ دُرواسا۔ اور سومیہ ان میں سے پہلے دو فرزندوں کا نام مشہور ہے کہ وہ اپنے علم و فضیلت سے تاریخی اہمیت رکھتے ہیں لیکن تیسرے نے چنداں شہرت نہیں پائی۔ چنانچہ اوسکا تذکرہ کسی دیرینہ کتاب میں خاص طور پر

درج نہیں ہو- اپنا مقصد تو اسوقت اتری رشی کے فرزند اکبر سوامی دتاتریہ سے لوگوں کا تعارف کرانا ہو جن کی تصنیف کردہ گیتا کو وہ آگے ملاحظہ کریں گے- افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُنکی سوانح عمری مکمل پیرایہ میں کہیں دستیاب نہیں ہے- اِس لئے اُنکے ہمعصروں نے اُنکے متعلق اپنی تصنیفات میں جو کچھ بیان کیا ہے اُس پر اکتفا کیا جاتا ہے-

سوامی دتاتریہ اپنے والد بزرگوار کے وطن یعنی خطۂ کشمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں اُنھوں نے صغر سنی کا زمانہ گذارا اور زبانِ سنسکرت میں تعلیم و تربیت حاصل کی- اُن کے دل میں دُنیا کی بے ثباتی کا خیال اوائل عُمر سے جاگزین تھا چُنانچہ وہ اپنے ہم مکتبوں اور دوستوں سے ملاقات اور تفریح کے شائق نتھے اور تنہائی پسند کرتے تھے- دتاتریہ کا نام دو الفاظ سے مشتق ہے، دتّ اور اتریہ- اُن کا اصلی نام دتّ ہے جو اُن کے برہمن ہونے پر دلالت کرتا ہے- اتریہ سے اتری کا فرزند مُراد ہے یعنی اس لفظ سے اُنکی ولدیت پر اشارہ ہے- زبان سنسکرت میں اودہوت کے معنی مجذوب ہیں اور یہ لقب اُنھیں مجذوب کی حیثیت سے بعد میں حاصل ہوا تھا- واضح ہو کہ وہ جسم میں شکیل اور قوی ہیکل تھے اُنھوں نے عُمر طبعی پائی- اسوقت کشمیری اور مہاراشٹر برہمنوں کی قوم میں کول دتاتریہ، گوتر موجود ہے- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اِن سب خاندانوں کے مورث اعلیٰ تھے- روایت ہو کہ سوامی دتاتریہ نے شادی نہیں کی اور وہ ہمیشہ مجرّد رہے اسلئے اونکی صُلبی اولاد نہیں ہوئی- مگر اونکا بھتیجا اونکی طرف متبنیٰ کیا گیا- اونکے مجرّد رہنے کے واقعہ پر آٹھویں باب کا مضمون روشنی ڈالتا ہو جہاں اُنھوں نے

مردوزن کے تعلقات کو مجذوب کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا اور بیان کیا ہے۔

سوامی دتاتریہ اپنے عہد شباب میں کشمیر سے ہند کی سیر و سیاحت کو روانہ ہوئے اور اسکے شمالی حصّوں میں جابجا سفر کرتے رہے وہ سردی اور گرمی کے آٹھ مہینے سفر میں گذارتے تھے مگر برسات کے چار مہینوں میں کسی آرام دہ مقام پہ ٹھہر جاتے تھے۔ چنانچہ ناسک سے کچھ دُور گوداوری کے کنارے پر اونکی ایک قیام گاہ ہے جو اونکے نام سے منسوب ہے۔ اونکا دوسرا مقام جوناگڈھ سے تین میل کے فاصلہ پر گری نار پربت میں واقع ہے۔ تیسری جگہ جہاں وہ سکونت پذیر ہوئے خاص کشمیر کے سری نگر شہر سے دو میل دور ایک چھوٹا پہاڑ ہے جسے آجکل ہری پربت کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے مقامات اُنکے بابرکت قدموں سے شرف یاب ہوئے۔ اُن کے ہمعصر سوامی پراشر اپنی تصنیف معروف وشنو پران میں تحریر کرتے ہیں "میری اور نیز وامدیو کی ملاقات اودہوت دتاتریہ سے کوہِ ہمالیہ میں بدری کاشرم کے مقام پر ہوئی" انھوں نے یہ حوالہ بھی دیا ہے کہ اودہوت دتاتریہ کی ملاقات کپل منی مُصنّف سانکھ شاستر سے پشکر کے مقام پر ہوئی تھی۔

سوامی پراشر کے نبیرہ سکھدیوجی اپنی بھاگوت پران میں لکھتے ہیں کہ اودہوت دتاتریہ نے راجہ یدُ کو جو اُسوقت متھراپوری اور اُسکے متّحدہ اضلاع پہ حکومت کرتا تھا اور یدوبنسی خاندان کا مورث اعلیٰ تھا علم خودشناسی سکھایا تھا ان واقعات کی روشنی میں اعتبار کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس مجذوبِ کامل نے ایک آزاد سیّاح کی زندگی بسر کی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُنکی تعلیمِ رُوحانی

سے کس کس کو فیض پہنچا۔ راجہ یدو تو بلاشک ان کے ارشادات سے بہرہ ور ہوئے
اثنائے سفر میں ان کی تلقین سے دیگر اشخاص کا مستفید ہونا قرین قیاس ہے
لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ بھاگوت پران کے گیارہویں سکند میں
یہ حکایت درج ہے کہ سوامی دتاتریہ نے چوبیس مرشد بنائے اور اسکا مفصل حال
راجہ یدو سے بیان کیا۔ اہل فہم اس واقعہ سے یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ انھوں نے
جو بیس مناظر قدرت کا بغور مشاہدہ کیا اور ہر منظر سے اپنے تصفیہ قلب کے لئے
ایک مفید اصول اخذ کیا بالفاظ دیگر وہ عارفانِ وقت میں سے کسی کے مرید
نہوئے اور اپنے دل کو ہی مرشد مانتے رہے اسقدر آزاد خیال ہونے پر بھی وہ
قیود شریعت کے مخالف اور برہم زن تھے۔ جیسا کہ اونکی تصنیف کردہ اودہوت
گیتا کے باب اوّل کے آخری شعر اور آٹھویں باب کے ۱۴ لغایت ۲۸ اشعار سے
ظاہر ہوتا ہے۔ وہ مانتے تھے کہ ہر طالب نجات کو جو صفائے باطن نہیں رکھتا
شریعت اور طریقت کے ابتدائی مراحل طے کرنے ہوتے ہیں۔ لیکن جس کسی کو
یہ نعمت عظمیٰ حاصل ہو اُسکے واسطے حقیقت و معرفت کی تعلیم موزوں اور
کافی ہے۔

ناظرین کی واقفیت کے لئے اودہوت دتاتریہ کے چوبیس مشاہدوں
کی فہرست ذیل میں دیجاتی ہے اور ہر مشاہدہ کا خلاصۂ اصول درج کیا جاتا
ہے۔ مؤلف کی استدعا ہے کہ وہ اسے بغور ملاحظہ کریں۔ معنی کی تفہیم سے لطف
اُٹھائیں اور اس مجذوب کامل کی روشن ضمیری کو خراجِ تحسین ادا کریں۔

نمبر	مشاہدہ	خلاصۂ اصول	نمبر	مشاہدہ	خلاصۂ اصول
۱	خاک	عفو وانکسار	۱۳	مکڑی	ترکِ بیم وامید
۲	آب	صفائے باطن	۱۴	مچھلی	ترکِ عیش وعشرت
۳	آتش	سوزِ دروں	۱۵	کبوتر	ترکِ علایق
۴	باد	وارفتگی	۱۶	باز	رواداری
۵	خلا	ضبطِ سکون	۱۷	مگس	قناعت
۶	آفتاب	علمِ اشراق	۱۸	پروانہ	عشق
۷	ماہتاب	علمِ عرفان	۱۹	بھونرا	جذب
۸	بحرِ اعظم	استغنا	۲۰	بھرنگی	سلوک
۹	اژدہا	توکّل	۲۱	بچّہ	معصومیت
۱۰	سانپ	خانہ بدوشی	۲۲	کنواری لڑکی	صداقت
۱۱	ہاتھی	ترکِ نفسِ امّارہ	۲۳	دستکار	یکسوئیِ خیال
۱۲	ہرن	ترکِ شوق ونفرت	۲۴	زنِ بازاری	بیزاری

(۱) یہ کرّۂ خاک جملہ انسان اور حیوان کے لئے جو اُس پر آباد ہیں غلّہ میوہ۔ سبزی وغیرہ اشیائے خوردنی اور دیگر سامانِ ضروری مہیّا کرتا ہے، مگر اُن سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں چاہتا۔ وہ اسکے سینہ پر اپنا بار ڈالتے ہیں۔ چلتے پھرتے ہیں اور ساری حاجتیں پوری کرتے ہیں پھر بھی اسکے صبر وتحمّل میں فرق نہیں آتا۔ اس مشاہدے سے بشر کو عفو وانکسار کا سبق مل سکتا ہے بشرطیکہ وہ غور وخوض کا عادی ہو۔

(۲) آب کا خاصّہ صفائی اور خنکی ہیں۔ چنانچہ اسکے ذریعہ ہر شے پاک و صاف کی جاتی ہے اور ہر طرح کی سوزش مٹائی جاتی ہے۔ یہ عنصرِ آب مکروکینہ کے جذبات کو دل سے دُور کرنا سکھاتا ہے یعنی صفائے باطن کی تعلیم دیتا ہے۔

(۳) آتش ہر چیز کو جو اُس میں داخل ہو فنا کر دیتی ہے۔ لیکن خود فنا نہیں ہوتی بلکہ زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح طالبِ مغفرت کا ذوقِ فنا اُسکے رختِ ہستی کو جلا کر بڑھتا ہے۔ اسے اصطلاح صوفیہ میں سوزِ دروں کہتے ہیں۔

(۴) ہَوا اپنے ہمراہ خوشبو اور بدبو کہیں سے کہیں لیجاتی ہے لیکن آپ اُن سے متاثر نہیں ہوتی۔ عارف بھی نیک اور بد نتائج سے بے واسطہ رہکر فرائضِ منصبی ادا کرتا ہے۔ ایسے رُجحانِ طبیعت کو وارفتگی نامزد کرتے ہیں۔

(۵) ستارے اور سیارے۔ روشنی و تاریکی۔ بادِ طوفاں اور بادِ صبا ابر و باراں۔ اِن سب کی گردش خلاء میں ہوتی ہے یعنی وہ آتے جاتے ہیں مگر خلا ایک حال پر قائم رہتا ہے۔ موحّد کا یقین بھی ایسا لاجنب ہوا کرتا ہے اور اسکا نام ضبط سکون ہے۔

(۶) آفتاب اپنی شعاعیں کرّۂ زمین پر ڈالتا ہے اور اُسکے مختلف حصّوں کو کم و بیش حرارت پہنچاتا ہے جس کی وجہ سے موسم میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ کبھی سردی پڑتی ہے تو کبھی گرمی کی شدت ہوتی ہے اور کبھی بارش کا سلسلہ بندھ جاتا ہے۔ چنانچہ انکی موجودگی میں جملہ نباتات اور غلّہ جات پیدا ہوتے ہیں جو کہ جانداروں کی خوراک اور بسرِ زندگی کا وسیلہ ہیں۔ اِس مظاہرے کا نام انقلابِ روزگار ہے۔ انسان کے وجود میں بھی ایسا نظارہ

چشمِ محقق کے سامنے آتا ہے کہ وہاں آفتابِ ذات اپنی علمی ضیا سے عقل دل اور حواس کو روشن کرتا ہے اور اپنی ارادی قوت سے اُن سب کو حرکت دیتا ہے یہ شانِ جلالی کا مُرقع ہے اور اس کی تفسیر علمِ اشراق ہے۔

(۷) ماہتاب ہر مہینے کے پہلے پندرہ دن تک درجہ بدرجہ گھٹتا ہوا بدر سے ہلال رہ جاتا ہے اور پچھلے پندرہ دنوں میں اسی طرح بڑھتا ہوا ہلال سے پھر بدر ہو جاتا ہے، مگر رؤیت کی اس کمی و بیشی سے در اصل اسکے جسم میں فرق نہیں آتا۔ یہ مثال علم عرفاں پر صادق آتی ہے اسلئے کہ وہ ذاتِ پاک کو غیب و شہود کی تعینات سے مبرّا ظاہر کرتا ہے یہ جمالی کیفیت کا بیان ہے اور علمِ عرفاں اس کا نام ہے۔

(۸) بحرِ اعظم میں بہت سے دریا جا کر گرتے ہیں اور معدوم ہو جاتے ہیں لیکن اُس کی وسعت میں کوئی تغیّر و تبدّل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی عارف کے دل میں جذبات داخل ہو کر فنا ہو جاتے ہیں مگر وہ بدستور ساکن رہتا ہے۔ یہ استغنا کی تعریف ہے۔

(۹) اژدہا ایک مقام پر پڑا رہتا ہے اور اپنی خوراک حاصل کرنیکے لئے نقل و حرکت نہیں کرتا۔ پھر بھی اُسے وہیں رزق ملتا ہے۔ عارف بھی بسر اوقات کے لئے دستِ قدرت کی بخشش پر بھروسہ کرتا ہے اور زندہ رہتا ہے۔ یہ توکّل کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

(۱۰) سانپ اپنے رہنے کے واسطے کہیں بل نہیں بناتا بلکہ دیگر جانوروں کے بل میں داخل ہو کر زندگی گذارتا ہے۔ یہی حال اُس مرتاض کا ہے جو اثنائے

سفر میں جس جگہ قیام کرتا ہے اُسے اپنا وطن جانتا ہے۔ خانہ بدوشی اِسی کو کہتے ہیں۔

(۱۱) ہاتھی اپنی مستی کے غلبہ میں کسی ہتھنی کی تصویر کو جو مصنوعی ہوتی ہے ہتھنی سمجھتا ہے اور اس سے ملنے کو اسکی طرف دوڑتا ہے آخر کار وہ ایک گڑھے میں جو اُس کی گرفتاری کے واسطے تیار کیا گیا ہے گر جاتا ہے۔ وہاں کوئی کمزور انسان اُسے بھوکا رکھ کر اپنے بس میں کر لیتا ہے اور اُس کی گردن پر انکش مار مار کر اُسے چلاتا ہے۔ یہ مثال اُن نفس پرستوں کے حسب حال ہی جو کسی حسین عورت کے دامِ محبت میں پھنسکر دُنیا کی سختیاں اُٹھاتے ہیں اور اُف نہیں کر سکتے ہاتھی اور انسان دونوں کے واسطے نفسِ امّارہ اذیّت کا موجب ہے۔ اس لئے عارف نفس کُشی کو اپنا طرزِ عمل قرار دیتا ہے۔

(۱۲) ہرن گانا سُننے کا خاص طور پر شایق ہی چنانچہ وہ دلکش آواز سُنکر اُسی جانب دوڑتا ہی اور کسی شکاری کے دام میں پھنس جاتا ہے۔ ایسی ہی مصیبت اُن لوگوں پر آتی ہی جو آہنگِ خوش کے دلدادہ ہو کر ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں اور خود غرض مُطربوں کی نغمہ سرائی کے عوض طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ اہلِ دِل ایسے لہو و لعب کو حواس پرستی مان کر اُس سے اجتناب کرتے ہیں۔ ترکِ شوق کا اصُول اِس تشبیہ میں موجود ہی۔

(۱۳) مکڑی اپنے مُنہ سے تار نکال کر جالا بناتی ہے اور خود اِس میں مقیّد ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح رُوحِ انسان نیک و بد اعمال سے اپنے واسطے ایک زندان تیار کرتی ہی اور اوسمیں گرفتار ہو جاتی ہے۔ واضح ہو کہ یہ چھوٹا سا

جانور اپنی زندگی سے بشر کو ترکِ ثمرۂ اعمال کا بڑا سبق دیتا ہے۔

(۱۴) مچھلی خوراک حاصل کرنیکی سعی کرتی ہوئی ماہی گیر کے جال میں جا پھنستی ہی اور اپنی جان گنواتی ہے۔ یہی حالت اُن اشخاص کی ہوتی ہے جو رزق کی اُمید میں دولتمندوں کی خوشامد اور اپنے ضمیر کا خون کرتے ہیں مگر عارف اپنی زندگی یوں تباہ نہیں کرتا یعنی عیش طلبی سے ہمیشہ محترز رہتا ہے۔

(۱۵) کوئی کبوتر اپنی کبوتری اور بچوں کو گرفتار دیکھکر جوشِ محبت سے خود بھی صیاد کے دام میں چلا گیا اور مارا گیا۔ اِس وقوعہ کے دیکھنے سے سوامی دتاتریہ نے دریافت کیا کہ عیال واطفال کی محبت انسان کو علمِ ذات کی تحصیل سے محروم کرتی ہی اور اُسے تازیست علائق دُنیوی میں پھنسائے رکھتی ہے۔ ترکِ علایق کا راز اِس مثال میں پنہاں ہے۔

(۱۶) ایک باز کہیں سے شکار مار کر لایا اور علیحدہ بیٹھکر کھانے لگا۔ اِتنے میں کئی شکاری پرندے یہ گوشت کا ٹکڑا دیکھکر اُسکے گرد جمع ہوگئے اور اُسے تنگ کرنے لگے اُسوقت باز نے اپنا لایا ہوا ٹکڑا زمین پر گرا دیا اور عافیت حاصل کی۔ سوامی دتاتریا نے یہ دیکھکر معلوم کیا کہ دُنیا میں انسان کی پُر امن زندگی اور ونکے ساتھ آشتی اور رواداری پر موقوف ہے۔

(۱۷) شہد کی مکھیاں کسی جگہ اپنا چھتہ بناتی ہیں اور وہاں شہد اکٹھا کرتی ہیں لیکن کبھی کوئی شہد کا خواہاں دُہواں کرکے اُنھیں بھگا دیتا ہے اور اونکی محنت کا ثمرہ چھین لیتا ہے۔ اِنسان بھی مُتواتر کوشش سے مال و دولت جمع کرتا ہے اور اوسکی حفاظت میں مصروف رہتا ہی پھر بھی اُس کا سرمایہ ایک روز

یا تو کسی چور کے ہاتھ آتا ہے یا اُسکے پس ماندگان کے قبضہ میں جاتا ہی۔ غرضکہ وہ اِس دُنیا سے خالی ہاتھ روانہ ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ حرص و ہوا چھوڑنے کی ضرورت ثابت کرتا ہے اُسے قناعت کہتے ہیں۔

(۱۸) پروانہ شمع کی لو دیکھکر اُس پر گرتا ہے اور جان دیدیتا ہے۔ اسیطرح کوئی طالبِ صادق سوزِ ہجراں کے جذبہ میں اپنی ہستی کو جلوۂ ذات میں فنا کرتا ہے پروانہ کی خودکشی انسان کو عشق کا سبق دیتی ہے۔

(۱۹) بھونرا خوشبو کا شایق ہی اسلئے وہ کسی پھول پر جا بیٹھتا ہے اور اُس سے حظ اُٹھا کر یکے بعد دیگرے اور پھولوں کی طرف رجوع کرتا ہی۔ اسطور پر وہ مختلف خوشبوؤں سے مزہ لیتا ہوا کہیں پابند نہیں ہوتا۔ عارف بھی جملہ مناظر فطرت کا مشاہدہ کرتا ہوا کسی خاص منظر کا گرویدہ نہیں ہوتا۔ یہ کیفِ جذب کی بہترین مثال ہے۔

(۲۰) بھرنگی ایک چھوٹا پردار جانور ہے جو اپنا گھر مٹّی سے بناتا ہی اور باہر سے کوئی بے پر کیڑا لاکر وہاں رکھتا ہے پھر اُسے اپنے سامنے ٹھہرا کے دم کرتا ہے یہانتک کہ اُسکے پر نکل آتے ہیں اور وہ پردار ہو کر اُس گھر سے اُڑ جاتا ہے۔ ایسے ہی کوئی مُرشدِ کامل اپنے مُرید کو اشارہ اور کلام سے مُستفیض کرکے اپنا سا بنا لیتا ہے تب وہ مُریدی کے سلسلہ سے آزادی پاکر جہاں اُس کا جی چاہتا ہے چلدیتا ہے۔ پیرِ طریقت کے سلوک کا یہ انتہائی درجہ ہے۔

(۲۱) بچّہ کو کسی طرح کی فکر نہیں ہوتی۔ جب اُسے بھوک لگتی ہی تو وہ چلّاتا ہے جب دودھ مِل جاتا ہی وہ چُپ ہو جاتا ہے۔ اُس کی ضروریات اِسی قدر

ہوتی ہیں اسلیئے وہ آئندہ کے لئے تشویش نہیں کرتا۔ عارف کی دُنیا بھی اتنی مختصر ہوتی ہے۔ یہ معصومیت کی تفسیر ہے۔

(۲۲) کنواری لڑکی کے مزاج میں سادگی ہوا کرتی ہے چنانچہ وہ سنگھار کے معنی نہیں سمجھتی اور بالغ عورتوں کی طرح نمایش کی جانب مائل نہیں ہوتی۔ اوسکی بے تصنع زندگی سے صداقت کا سبق ملتا ہے۔

(۲۳) دستکار کی خوبی یکسوئی خیال ہے اسلیئے جب کسی پیشہ ور کو یہ قابلیت حاصل ہے وہ اپنے فن میں کامل مانا جاتا ہے۔ عارف اسی اصُول پر چلتا ہے اور اصطلاح صوفیہ میں "دِل بیار دوست بکار" کہلاتا ہے۔

(۲۴) زنِ بازاری اپنے شائقین کو لُبھانے کے لئے طرح طرح کا سنگھار کرتی ہے لیکن کسی وقت وہ اِس پیشہ سے بیزار ہوکر اپنے مکر و فریب کو ذلیل سمجھتی ہے انسان کا دِل بھی دُنیا کے نمائیشی دام میں گرفتار رہتا ہے لیکن کبھی ایسا وقت ضرور آتا ہے جبکہ اُس کا تلخ تجربہ دُنیا کی بے ثباتی دکھاتا ہے اور اُسے دِل برداشتگی کا اصُول سکھاتا ہے۔

سوامی دتاتریہ کے چوبیس مشاہدوں کا تذکرہ کرکے اب اونکے خاص عقاید پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ مجذوب کامل فرماتے ہیں کہ بشر کی مغفرت اُسکی خودشناسی پر موقوف ہے اور خودشناسی کے واسطے مشاہدہ اور مدلیل درکار ہیں۔ ایسی صُورت میں کوئی مُرشد کسی مُرید کو اپنی تعلیم سے صرف بیرونی مدد دیسکتا ہے۔ کشفِ باطن اسکی ذاتی کوشش پر منحصر ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اُنھوں نے طریقِ تعلیم میں مُرید کی خود اعتمادی کو اہمیت دی ہے اور اسکا اخلاقی جُرأت سے کام لینا ضروری سمجھا ہے

(۲) اُن کی رائے میں کوئی شے خواہ ادنیٰ سے ادنیٰ ہو اہلِ نظر کے لئے سبق آموز ہے اسلئے ہر کہیں سے خوبی کو لینا اور نقص چھوڑ دینا واجب ہے۔ جنھیں دلِ دانا اور چشمِ بینا مُیسّر ہیں وہ فروعات کو نظرانداز کرکے اصلیت کا اخذ کرتے ہیں (۳) زبان دانی ایک قابلِ تعریف فن ہے لیکن روشن خیالی اس سے زیادہ وقعت رکھتی ہے اسلئے کہ وہ حیاتِ انسان کا نصبُ العین ہے۔ (۴) کسی عارف کا کلام شاعری کے پایہ سے بلند ہو پھر بھی تعظیم و تکریم کے قابل ہے۔ کیونکہ طالبِ حق کو نفسِ مضمون معلوم کرنیکی ضرورت ہوتی ہے۔ اودہوت دتاتریہ کی نادرہستی کے مجمل واقعات بیان کرکے اب اُنکی تصنیف کردہ گیتا کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ متبرک اور دیرینہ صحیفہ زبانِ سنسکرت میں ان کی یادگار ہے۔ اسکے علاوہ اُنکی کوئی اور تصنیف دستیاب نہیں ہے۔ اُنھوں نے اِس چھوٹے سے صحیفے میں جو دو سو اٹھاسی اشعار پر مشتمل ہے علمِ توحید کے شائقین کے لئے اپنے اشراقیہ جذبات کا ترکہ چھوڑا ہے۔ زمانۂ موجودہ میں اِسکا مُطالعہ خاص لوگوں تک محدُود ہے۔ عوام کو اِس سے دلچسپی نہیں لیکن - کم توجہی سے اودہوت گیتا کی شان میں فرق نہیں آتا۔ کوئی اسے مجذوب کی بڑ سمجھکر طاقِ نسیان پر رکھدے مگر دراصل یہ وہ معدنِ لطیف ہے جس میں علمِ ذات کے بیش بہا جواہرات پوشیدہ ہیں اور اہلِ نظر کی تفتیش کے بعد پردۂ راز سے برآمد ہوتے ہیں۔ فصاحت کے نقطۂ نظر سے یہ صحیفہ قابلِ دید ہے کہ اس کی عبارت صاف اور بندش آسان ہے یہانتک کہ زبانِ سنسکرت میں معمُولی استعداد رکھنے والا بھی اسے بخوبی پڑھ سکتا ہے۔ مضامین کے دقیق ہونے کے باوجود فاضل مصنفؒ نے انھیں دلکش بنانیکا اہم فرض ادا کیا ہے اس میں

کہیں کہیں قافیہ اور ردیف کا التزام ہے اگرچہ اسکی پابندی سنسکرت نظم کے لئے ضروری نہیں ہے۔ بلاغت کے پایہ سے دیکھا جائے تو یہ کلام بیشک بلند سے بلندتر ہے کہ اُس مجذوبِ کامل نے اپنے مراقبہ و کشف کا بیان نہایت مختصر الفاظ میں کیا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی متعلم اپنی سرسری نظر سے اسکے مقصد و معنی پر عبور نہیں پا سکتا۔ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اودہوت گیتا وہ الہامی تصنیف ہے جسکا موازنہ عقلِ محدود کی میزان میں دشوار ہے البتہ کسی چشم معتبر کے چھوٹے سے تل میں اسکا وسیع منظر سما جاتا ہے۔ مؤلف نے اصل سنسکرت کو بغور پڑھنے کے بعد اس گیتا کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے جسے وہ اودہوت دتاترے سے تعارف کرانے کے بعد اہلِ ذوق کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ یہ سنکر استعجاب ہوگا کہ اس نادر کلام کا ترجمہ فارسی اردو انگریزی وغیرہ کسی زبان میں آجتک نہیں ہوا ہے صرف ایک جدید ترجمہ بھاشا زبان اور دیوناگری حروف میں موجود ہے جو کاشی نواسی شری پرمانند جی کی سعیٔ بلیغ کا نتیجہ ہے۔ اس کی اشاعت لکشمی وینکٹیشور پریس بمبئی سے ۱۹۲۷ء عیسوی میں ہوئی تھی اور یہ بھاشا جاننے والوں کے واسطے مطالعہ کے قابل ہے۔

اودہوت گیتا آٹھ باب پر منقسم ہے اور اسکے ہر باب میں اُس عالمِ باعمل نے اپنی کیفیتِ قلبی کا خاص منظر دکھایا ہے۔ ساتھ ہی اِس تقسیم میں اُن کے مدارج کا لحاظ رکھا ہے۔ پھر بھی مصنف کے اوجِ تخیل کے باعث تمام مضامین عوام کو تقریبًا یکساں معلوم ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ مؤلف نے مذکورہ بالا سلسلہ پر غور و خوض کرکے ہر باب کا عنوان فہرست مضامین میں جداگانہ دیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو

اس کی مدد سے مطلب کے سمجھنے میں سہولیت ہو۔ واضح رہے کہ اس منظوم ترجمہ میں سب سے پہلے سنسکرت اشلوک دیوناگری حروف میں درج ہی اُس کے نیچے مکمل ترجمہ اُردو شعر میں موجود ہے۔ ان دونوں کے بعد اس شعر کی تفسیر ہے۔ ایسی ترتیب کے ہوتے کوئی متعلم اشلوک اور اُردو شعر کے مضمون کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ اور تفسیر پڑھکر دیگر مخفی نکات سے واقف ہوسکتا ہی۔

اس موحد کامل کی وسیع النظری اور اردو زبان کی کم مایگی کے باعث مترجم کو جو دقتیں پیش آئیں اُنکا اندازہ اہلِ علم و ادب فرماسکتے ہیں پھر بھی اس مخلصانہ کوشش میں جو نقایص اس کی ہیچمدانی سے رہ گئے ہیں مؤلف اُنکی معافی چاہتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ زمانۂ موجودہ میں جملہ بزرگان و نوجوانان قوم کو اس متبرک اور کمیاب صحیفہ کے مطالعہ کی توفیق ہو۔

دینا ناتھ مُعجز دہلوی

فہرست مضامین

ॐ

श्री दत्तात्रेय विरचितावधूत गीतायां

प्रथमोऽध्यायः

आत्म संवित्युपदेशः

اودھوت گیتا مصنّفہ شری سوامی دتاتریہ کا

پہلا باب

مشاہدہ - جلوۂ توحید

अवधूत उवाच

ईश्वरानुग्रहादेव पुंसामद्वैत वासना ।

महद्भय परित्राणा विप्राणामुपजायते ॥ १

مجذوب کامل فرماتے ہیں

جن پہ رحمت حق کی ہوتی ہے وہی اہل صفا (صفائے باطن)

دیکھتے ہیں جلوۂ توحید بے بیم و رجا (۱)

اوصاف اور افعال صفاتی شبد ہیں۔ مگر ذات پاک ان تعینات سے برتر اور مصدر علم و سرور ہے۔ صفاتی تعیّنات کے بموجب انسانی طبائع کی خلقت ہے یعنی بشر کی قابلیت کے مدارج اوصاف اور افعال کی تفریق پر مبنی ہیں۔ چنانچہ ان مدارج کے لحاظ سے اُسکی روحانی ترقی کے لئے ادنیٰ اور اعلیٰ دو طریقے ہیں جنھیں

اصطلاح میں ترکِ خودی اور ترکِ تمنا کہتے ہیں۔ جس بشر کا دِل زعم خودی سے تیرہ اور مضطرب ہے اُس کی اصلاح کے واسطے ترکِ خودی کی طریقت لازمی ہے اسکا اصُول ہے شوق و نفرت دور کرنا بالفاظ دیگر جملہ افعال کو جبر قدرت مانکر اُس کی متابعت کرنا۔ یہ طرز معاشرت ادائے فرض کہلاتا ہے اور اسکا پیرو تمام اعمال کا صدور صفات سے تسلیم کر کے خود کو مختار نہیں سمجھتا۔

درحقیقت انسان ارتکابِ فعل پر مجبور ہے کیونکہ وہ ایک لمحہ بھی فعل سے خالی نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں ترکِ افعال ناممکن ہے۔ البتہ اُن سے دلی تعلق نہ رکھنا اوسکے اِمکان میں ہے۔ چنانچہ جو کوئی اِس اصُول پہ کاربند ہوتا ہے اُس میں علم ذات حاصل کرنیکی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے جسے صفائے باطن کہتے ہیں۔ اِس قابلیت کی علامت خودشناسی کا جذبہ ہوتا ہے۔

برخلاف اِسکے جو لوگ دُنیا و عقبیٰ کی لذات کے شائق ہیں اور خود کو افعال کا مختار سمجھتے ہیں وہ دِل کی تیرگی اور اضطراب سے بری نہیں ہوتے اسلئے حقیقت و معرفت کی تعلیم سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اوددھوت دتاتریہ نے اپنی تلقین کے آغاز میں اِس امر واقعی پر روشنی ڈالی ہے۔ ناظرین کی واقفیت کے لئے مؤلف نے اِس نقطۂ اوّل کی تفسیر ضروری خیال کی۔ ترکِ تمنا کا اعلیٰ اصُول آگے بیان کیا جائیگا۔ جس کی تفہیم اور پیروی سے طالبِ صادق پر معرفت کا راز آشکارا ہوتا ہے اور وہ کمالِ انسانی کے درجہ پہ پہنچتا ہے

فی الحال اتنا کہنا کافی ہے کہ اِس دوسری طریقت میں ثمرۂ اعمال کا ترک مضمر ہے۔

येनेदं पूरितं सर्वं मात्मनैवात्मनात्मनि ।
निराकारं कथं वन्दे ह्यभिन्नं शिवमव्ययम् ॥ २

عالمِ کثرت میں ہے جو خود بخود جلوہ طراز
(۲) کیسے ہیں اُس پاک ہستی سے کروں عرضِ نیاز (ذات)

واحد ہستی محیط - قدیم اور علیم ہے اور جلوۂ کثرت میں جتنی صورتیں دکھائی دیتی ہیں وہ سب محدود - فانی اور باطل ہیں - غیر شخص کی مدح کی جاتی ہے اپنی مدح آپ کرنے کے کچھ معنی نہیں - موحّد کامل فرماتے ہیں کہ اونکی چشم دل کے سامنے سے پردۂ دوئی ہٹ گیا ہی اسلئے وہ ذاتِ لاشریک کی مدح سرائی سے معذور ہیں اس شعر کے تیور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدح سرا تو ہیں لیکن خاص انداز سے جسکا خیال اور زبان سے تعلق نہیں ہے دیگر لفظوں میں اُن کی مدح سرائی عشقِ عالمگیر کی صورت رکھتی ہے -

पंच भूतात्मकं विश्वं मरीचि जल सन्निभम्
कस्याप्यहो नमस्कुर्यामहमेको निरञ्जन :॥३

پنج عنصر سے مرکب ہے سراب آسا جہاں
(۳) ذاتِ لاثانی کو میں سجدہ کروں بھی تو کہاں (صفات)

سراب وہ صحرائی نظارہ ہے جسے دیکھکر مسافر کو آبِ دریا کا گمان ہوتا ہے مگر باوجود تلاشِ بسیار وہ کبھی دستیاب نہیں ہوتا - بالفاظِ دیگر اس کی نمود بے بود ہے - یہ جہان جس میں پانچ عنصروں کی آمیزش ہے سراب کی طرح باطل ہے کہ اسکے ظہور کا باعث انسان کی علمِ ذات سے محرومی ہے -

چنانچہ حقیقت کا راز کھُلتے ہی اسکا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس جہان کی دو شکلیں نظر آتی ہیں اور دونوں ہی قابل تعظیم نہیں ہیں اسلئے کہ اِدھر باطل ہستی کی پرستش بیکار ہے اور اُدھر وحدتِ حق پرستش کی مانع ہو۔ اِس اعتبار سے رُوحانی ترقی کا بہترین وسیلہ علم ذات کی تحصیل ہے۔

आत्मैव केवलं सर्वं भेदाभेदो न विद्यते ।
अस्ति नास्ति कथं ब्रूयाम् विस्मयः प्रतिभातिमे ॥ ४

شانِ وحدت آشکارا ہے بِلا نُقص و کمال
(۴) محوِ حیرت کیا اُٹھائے حق و باطل کا سوال (جلوۂ توحید)

عقلِ بشر جزو کو ناقِص اور کُل کو کامِل قرار دیتی ہے۔ نیز ظاہر کو ہست اور مخفی کو نیست مانتی ہو لیکن نگاہ عارف میں یہ تقسیم بے معنی ہو کہ شان وحدت غیر منقسم ہے۔ عالم کو ناقص خیال کرنا اسلئے درست نہیں ہو کہ کمال سے نُقص کا پیدا ہونا معقولات کے خلاف ہو۔ اسے کامِل مانا جائے تو بھی یہ دُشواری پیش آتی ہو کہ اس کا زوال پذیر اور فانی ہونا کمال کی صفت نہیں ہے ایسے ہی عالم کو حق جاننا غلط ہے کہ رازِ ہستی کے انکشاف پر وہ معدوم ہو جاتا ہے۔ اگر اسے باطل مانیں تو کیسے مانیں کہ حق کا جلوہ حق ہوتا ہے باطل نہیں ہو سکتا۔ اودہوت دتاتریہ کی نظر ایسے تعیّنات سے بالاتر ہے یعنی وہ ہمہ دیدار کا لُطف اُٹھا رہے ہیں جو چشمِ حیراں کے لئے مخصوص ہے۔

वेदान्तसारसर्वस्वं ज्ञान विज्ञानमेवच ।
अहमात्मा निराकारः सर्वव्यापी स्वभावतः ॥ ५ ॥

مختصر ہے کائناتِ علم کا یہ تذکرہ
(۵) ایک ہستی ہے ہمہ و با ہمہ و بے ہمہ (علم توحید)

ظاہری اور باطنی تحقیقات کا نتیجہ اس سے زیادہ نہیں ہو کہ ذات واحد تین تثلیثوں کی شکل میں نمایاں ہے جسے حجاب علمی ارادت ازلی اور مشیّت ایزدی کہتے ہیں۔ طالب نجات کا مادّی تثلیث سے گذر جانا اُسے حقیقت کے درجہ پر پہنچاتا ہے اور ارادی تثلیث کا رستہ طے کرنا معرفت کی منزل میں وارد کرتا ہے ثلاثہ معرفت کے بعد کیفِ بیخودی کا مسکن ہو جس میں کسی تثلیث کے آثار نہیں ہیں۔ یہ شعر جامعیت کے پایہ سے بینظیر ہے کہ اس میں رازِ ہستی مختصر سے مختصر الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے

योवैसर्वात्मको देवो निष्कलो गगनोपमः ।
स्वभाव निर्मलः शुद्धः सएवाहं न संशयः ॥६॥

آسماں میں اور مجھ میں لوثِ نیرنگی نہیں
(۶) میری یکرنگی ہی بیشک جلوہ آرا ہر کہیں (عین حق)

جملہ ہستی میں ذاتِ واحد جلوہ گر ہے اسلئے جزو کُل کا امتیاز درست نہیں۔ یعنی انسان کی جزویت اور عالم کی کلّیت دونوں موہوم ہیں چنانچہ اودہوت دتاتریہ اس منظر مساوات کا معائنہ کر کے نُورٌ علیٰ نُور کو بے سایہ بتاتے ہیں یہاں خلا کی مثال پیش کرنا ان کی بلند نظری کا ثبوت ہے کہ قدرت کے کسی اور مظاہرے میں ذات کی یکرنگی اتنی قرینِ قیاس نہیں ہے۔

अहमेवाव्ययोऽनन्तः शुद्ध विज्ञान विग्रहः ।
सुखं दुखं न जानामि कथं कस्यापि वर्तते ॥७॥

میں ہوں کیفِ بیخودی بے ابتدا بے انتہا
(۷) (عین سرور)
کیا مجھے احساس ہو آسایش و تکلیف کا

آسایش اور تکلیف کا باعث محسوسات کی طرف دل کی توجّہ ہے جو کہ شوق و نفرت کی شکل اختیار کرکے انسان کو تدبیر و کوشش میں لگاتی ہے لیکن جس وقت یکسو توجّہ محسوسات سے ہٹ کر علم ذات میں منہمک ہو جاتی ہے شوق و نفرت کے جذبات دِل میں پیدا ہی نہیں ہوتے یعنی ایک سکون کی حالت طاری ہو جاتی ہے جس میں آسایش و تکلیف مساوی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ کیفِ بیخودی نامزد ہے اور اُسے ذات نامتناہی کا جوہر ہونے کے باعث دوام حاصل ہے۔

न मानसं कर्म शुभाशुभं मे
न कायिकं कर्म शुभाशुभं मे ।
न वाचिकं कर्म शुभाशुभं मे
ज्ञानामृतं शुद्धमतीन्द्रियोऽहम् ॥८॥

دِل زبان و جسم کی تحریک سے بے واسطہ
(۸) (عین علم)
میری ہستی ہے علیم و لا کلام و لا فنا

دِل زبان اور جسم کے فعلوں کو جاہل خود سے منسوب کرتا ہے اسلئے اُن کے خمیازہ کا مستوجب ہوتا ہے۔ مگر عارف اپنی ہستی کو علّت و معلول کے اِس سلسلہ سے بالاتر جانتا ہے اسلئے آزاد رہتا ہے۔ جاہل اور عارف دونوں سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وہ انھیں اختیاری مانکر بیم و امید میں گرفتار ہوتا ہے اور یہ انکا صدور قدرت سے بحالت جبر تسلیم کرکے جمعیّتِ خاطر رکھتا ہے

جسے علمِ ذات کا ماحصل کہنا چاہیئے۔

मनो वै गगनाकारं मनो वै सर्वतोमुखम् ।
मनोऽतीतं मनःसर्वं न मनःपरमार्थतः ॥९॥

دِل خلا کی طرح کچھ معلوم کچھ موہوم ہے
(۹) واحدِ کثرت نما ہے واقعی معدوم ہے (لاشریک)

عقل شہادت دیتی ہے کہ جیسے خلا جملہ موجودات میں داخل ہونے پر نظر نہیں آتا ایسے ہی انسان کا دِل ساری دُنیا کو ظہور دیتا ہوا خود پوشیدہ رہتا ہے یعنی وہ کثرت نما ہو کر یکرنگ ہے۔ برخلاف اسکے علمِ ذات ثابت کرتا ہے کہ عقل کی یہ تفہیم درست نہیں ہے کیونکہ دراصل دِل نیست ہے اور جان ہستِ مطلق۔

अहमेकमिदं सर्वं व्योमातीतं निरन्तरम् ।
पश्यामि कथमात्मानं प्रत्यक्षं वा तिरोहितम् ॥१०॥

درحقیقت کچھ نہیں جب اپنی ہستی کے سوا
(۱۰) پھر یہ کیا ہے آشکارا و نہاں کا شعبدہ (جامع)

وحدۂ لاشریک میں ظاہر و باطن کی تفریق نہیں ہو سکتی۔ اسلئے دورنگی کا دیدار فریبِ نظر ہے۔ موحّد کو شرک کا پابند نہونا چاہیئے بلکہ توحید خالص پر اعتبار کرنا واجب ہے۔

त्वमेवमेकं हि कथं न बुध्यसे
समं हि सर्वेषु विमृष्टमव्ययम् ।
सदोदितोऽसि त्वमखण्डितः प्रभो
दिवा च नक्तं च कथं हि मन्यसे ॥११॥

ایک تو شاہد ہے سب کا برتر از فکر و قیاس
(۱۱) کیوں نہ عاجز ہوں ترے ادراک میں عقل و حواس (شاہد)
مہرِ عالمتاب کی مانند دائم تابدار
تیرے جلوے میں کہاں ہی گردشِ لیل و نہار

کرۂ آفتاب میں شب و روز موجود نہیں ہیں اسلئے وہاں وقت بے اندازہ ہے اسی طرح ذاتِ پاک میں غیب و شہود کے جلوے ناپید ہیں اور دائمی یکرنگی موجود ہے۔ نفس مضموں یہ ہی کہ علم ذات کی تحصیل مساواتِ نظر پر موقوف ہے۔

आत्मानं सततं विद्धि सर्वत्रैकं निरन्तरम् ।
अहं ध्याता परं ध्येय मखण्डं खण्डयते कथम् ॥ १२

تو بلا رنگِ دوئی ہے جلوہ آرا ہر کہیں
(۱۲) شاہد و مشہود بننا تیری قسمت میں نہیں (یکتا)

جسم دل اور جان ملکر مادّی ثلاثہ کی شکل پیدا کرتے ہیں مگر ذاتِ یکتا الطف ہوکر اس جلوہ گری کے تابع نہیں یعنی وہ ایک حال پر قائم رہکر غیر منقسم ہے یہ شانِ وحدت کی تشریح ہے۔

न जातो न मृतोऽसि त्वं न ते देहः कदाचन ।
सर्वं ब्रह्मेति विख्यातं ब्रवीति बहुधाश्रुतिः ॥ १३ ॥

جملہ اہلِ کشف کہتے آئے بیگانہ تجھے
(۱۳) زندگانی مرگ و پیدائش کی دارو گیر سے (قدیم)

اہلِ کشف پر رازِ ہستی عیاں ہوا ہے اور اُنھوں نے بالاتفاق کہا ہے کہ رُوح بشر پیدائش۔ زندگی اور مرگ کے اثرات کو قبول نہیں کرتی یعنی اعمال اور اُن کے نتائج کے حلقہ سے باہر رہتی ہے۔ یہ سب تعیّنات ہیں اور وہ لاتعیّن۔

सबाह्याभ्यन्तरोऽसि त्वं शिवः सर्वत्र सर्वदा ।
इतस्ततःकथं भ्रान्तः प्रधावसिपिशाचवत ॥१४॥

حاضر و غائب۔ قریب و دور تیرا نور ہے
(۱۴) پھر تو کیوں سایہ صفت آوارہ و مہجور ہے (محیط)

شخص کے ساتھ اُسکا سایہ رہا کرتا ہے لیکن یہ اُسے چھو نہیں سکتا۔ ایسے ہی لاعلمی ذاتِ علیم سے وابستہ رہکر اُس میں داخل نہیں ہے۔ طالبِ دیدار اِس حقیقت کو نہ سمجھکر اپنا خیال دوڑاتا ہے اور جستجو کرتا ہے مگر اُس کی یہ کوشش رائگاں جاتی ہے اسلئے کہ وہ نظرِ غیرت سے کام لیتا ہے یعنی ذاتِ حق کو بطون کی بجائے ظہور میں ڈھونڈتا ہے۔

संयोगश्च विभागश्च वर्तते न च ते न मे ।
न त्वं नाहं जगन्नेदं सर्वमात्मैवकेवलम् ॥१५॥

کیفِ مستی میں من و تو کی یہ دستوری نہیں
(۱۵) میرے تیرے درمیاں نزدیکی و دوری نہیں (واحد)

ظاہر و باطن اور ہجر و وصال میں فرق ماننا عقل کا خاصہ ہے عشقِ ذات اس فرق کو مٹا دیتا ہے یعنی دورنگی فنا کر دیتا ہے۔ اور یکرنگی کا منظر پیش کرتا ہے

शब्दादि पञ्चकस्यास्य नैवासि त्वं न ते पुनः ।

त्वमेव परमं तत्त्वमत: किं परितप्यसे ॥१६॥

تیری پابندی حواسِ پنجگانہ میں نہیں
(۱۶) پھر بھی تیرے دلمیں فکرِ مخلصی ہی جاگزیں (الطف)

دِل محسوسات سے تعلق پیدا کرکے اذیّت پاتا ہے اور اس تعلق کی وجہ بشر کی لاعلمی ہوتی ہے۔ علمِ ذات ثابت کرتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے اسلئے طالبِ حق کو واجب ہے کہ وہ اپنے دل کو احساس کے پنجہ میں نہ پھنسائے اور خود شناسی کا ساعی ہو۔

जन्म मृत्यु न ते चित्त बन्धमोक्षौ शुभाशुभौ ।
कथं रोदिषि रे वत्स नामरूपं न ते न मे ॥१७॥

جانِ من تیرے لئے کیونکر ہیں یہ وجہ ملال
(۱۷) زندگی و موت۔ نیکی و بدی۔ ہجر و وصال (منتزہ)

جذبات دل میں پیدا اور فنا ہوتے ہیں نہ کہ جان میں۔ پھر بھی انسان اپنی نادانی کے باعث انھیں جان سے منسوب کرتا ہے اور مضطرب رہتا ہے ایسی صورت میں نقوشِ ہستی کو لوحِ دل سے مٹانا اس کی روحانی بقا کیلئے ضروری ہے۔

अहो चित्त कथं भ्रान्तः प्रधावसि पिशाचवत् ।
अभिन्नं पश्य चात्मानं रागत्यागात्सुखीभव ॥१८॥

کیوں تو جن کی طرح ہر سو دوڑتا ہے اے خیالی
(۱۸) بے تمنّائے نظر ہو کر اُٹھا لطفِ وصال (معرّا)

بشر کا خیال جن کی طرح ہر شے سے جا لپٹتا ہے اور اُسے نہیں چھوڑتا یہ اُس کی آوارگی کا ثبوت ہے۔ لیکن یکسوئی اختیار کرنے پر وہی ناقص سے کامل بن جاتا ہے۔ یعنی وصالِ ذات حاصل کرتا ہے جسکا سرور ابدی ہے۔

त्वमेव तत्त्वं हि विकार वर्जितं
निष्कामेकं हि विमोक्ष विग्रहम् ।
न ते च रागो ह्यथवा विरागः
कथं हि संतप्यासि काम कामतः ॥१९॥

تجھ سے وابستہ ہے دائم جلوۂ رُوحانیت
(۱۹) (مستغنی)
کیوں ہے اب تو پائے بندِ جذبۂ نفسانیت

خواہشات دِل پر قابو پاکر اِنسان کو نفس کا بندہ بنالیتی ہیں یعنی رُوحانیت کے پایہ سے گرادیتی ہیں۔ اے طالبِ مغفرت تو یہ سمجھ لے کہ نفسانیت فروعی اور رُوحانیت اصلی ہے اِس اصول کے مطابق تجھ پر ترکِ خواہشات لازم آتا ہے۔

वदन्ति श्रुतयः सर्वा निर्गुणं शुद्धमव्ययम् ।
अशरीरं समं तत्त्वं तन्माम् विद्धि नसंशयः ॥२०

پاک و برتر ہے بقولِ عارفاں ہستی تری
(۲۰) (پاک)
جان لے اِس قالبِ خاکی سے اپنی مخلصی

عارفوں نے بالاتفاق کہا ہے کہ وہ ذات بے صفت۔ قدیم اور جسمانی قیود سے بری ہے۔ اے دلِ ناداں تو مشاہدۂ باطنی سے اُن کے بیان کی تصدیق کر

کہ یہ نجات کا رستہ ہے۔

साकारमनृतं विद्धि निराकारं निरन्तरम् ।
एतत्तत्त्वोपदेशेन न पुनर्भव संभवः ॥ २१ ॥

حق نظر آتا نہیں۔ باطِل نمایاں ہو یہاں
(۲۱) (آزاد)
بے سبب ہے رُوحِ ناجی پر تناسخ کا گُماں

حصُولِ نجات کے لئے حق و باطل کا امتیاز ضروری ہے اسلئے کہ ذات پوشیدہ رہکر حق ہے اور صفات پیش نظر ہو کر باطِل۔ جس کسی پر یہ رازِ ہستی کھُلتا ہے وہ تناسخ کے وہم سے نجات پاتا ہے۔

एकमेव समं तत्त्वं वदन्ति हि विपश्चितः ।
रागत्यागा त्पुन श्चित्तमेकानेकं न विद्यते ॥२२॥

ہستیٔ مُطلق کا اہلِ کیف دیتے ہیں نشاں
(۲۲) (مُطلق)
بیخودی میں امتیازِ وحدت و کثرت کہاں

پابندانِ خودی کو وحدت و کثرت میں باہمی مخالفت نظر آتی ہے چُنانچہ اُن کا دِل شوق و نفرت کے تابع ہو جاتا ہے۔ بیخودی میں ان جذبات کا پتہ نہیں لگتا۔ اسلئے دِل پاک و صاف رہتا ہے اور جذب عشق کے معنی عیاں کرتا ہے۔

अनात्मरूपं च कथं समाधि
रात्मस्वरूपं च कथं समाधिः ।
अस्तीति नास्तीति कथं समाधि
र्मोक्षस्वरूपं यदि सर्वमेकम् ॥२३॥

نُور و جلوہ - ہوش و بیہوشی کے کچھ معنی نہیں
(۲۳) عشق کا حاصل مساواتِ نظر ہے ہر کہیں (مساوی)

عقل کی میزان میں اصل و فرع اور کیف و کم ایک دوسرے کے مخالف واقع ہیں - مگر عشق کے منظر میں ان کا تقابل نہیں ہے کہ وہاں تو مساوات ہی مساوات ہے - یہ کیفِ وصال اُس جذبِ عشق کا نتیجہ ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا -

विशुद्धोऽसि समं तत्त्वं विदेहस्त्वमजोऽव्ययः ।
जानामीह न जानामीत्यात्मानं मन्यसे कथम् ॥२४

تو حیاتِ دائمی ہے - قیدِ ہستی سے بَری
(۲۴) علم و نادانی میں کیونکر ہو تری آلودگی (ثلاثہ)

حجابِ ازلی کے دو مختلف مظاہرے علم و جہل ہیں اسلئے انسان دانا اور نادان ہونیکا دعویٰ کرتا ہے مگر یہ دونوں دعوے دُرست نہیں ہیں کہ در اصل رُوح ان صفتوں سے منزّہ ہے یعنی پاک و برتر ہو کر جُملہ ہستی کی شاہد ہے -

तत्त्वमस्यादिवाक्यैश्च स्वात्मा हि प्रतिपादितः ।
नेतिनेति श्रुतिर्ब्रूयादनृतं पांचभौतिकम् ॥२५॥

عشقِ عالمگیر ہر جائی دکھاتا ہے تجھے
(۲۵) جذبِ کامل شرک سے بالا بتاتا ہے تجھے (دوئی)

عرفانِ ذات کی دو شکلیں ہیں۔ جذب اور سلوک۔ اُن میں سے پہلا غیریت کا منافی ہو اور دوسرا احدیت ثابت کرتا ہے۔ مگر ہر دو طریقت کا ماحصل ایک ہے۔ مجذوب دُنیا و مافیہا سے غرض نہ رکھ کر وحدت کا ناظر رہتا ہے۔ سالک دُنیا و مافیہا میں اُسی کی شان دیکھتا ہے۔ اوّل الذّکر خلوت پسند ہُوا کرتا ہے اور مابعد الذکر بزمِ جہان کی زینت بڑھاتا ہے۔ دیگر لفظوں میں اوسکا نصبُ العین فنا اور اسکا بقا ہے۔

आत्मन्येवात्मना सर्वं त्वया पूर्णं निरन्तरम् ।
ध्याताध्यानं न ते चित्तं निर्लज्जंध्यायते कथम् ॥२६

عالمِ وحدت کا نظّارہ ہے تیرے نُور میں
(۲۶) کیوں تو سرگرداں ہے فکرِ ناظر و منظُور میں (وحدت)

ناظر۔ نظر اور منظور سے ایک ثلاثہ بنتا ہے۔ لیکن نُورِ ذات اس سے بالاتر ہے۔ یہ مجذوب کا عقیدہ ہے۔ وہی نُور اس ثلاثہ میں جلوہ گر ہے یہ سالک کا یقین ہے تاہم دونوں طریقتوں کی منزل ایک ہو کہ ناظر و منظور کی گمشدگی میں مساوات نظر باقی رہتی ہی۔ یہ شعر ترکِ تمنّا کے اصول پر روشنی ڈالتا ہے۔

शिवं न जानामि कथं वदामि
शिवं न जानामि कथं भजामि ।
अहं शिवश्चेत् परमार्थ तत्त्वं
समस्वरूपं गगनोपमं च ॥२७॥

میں کسے سجدہ کروں۔ کیونکہ ہوں مصروفِ ثنا
(۲۷) میری ہستی ہے محیط و پاک مانندِ خلا (مجاز)

عبد و معبود کا خیال جب تک دل میں موجود ہے۔ سجدہ و ثنا خوانی کی ضرورت ہوا کرتی ہے کہ یہ دونوں صفائے قلب کا ذریعہ ہیں۔ مگر عارف پر یہ شرعی قیود لازم نہیں ہیں۔ دیگر لفظوں میں جب کوئی مسافر منزل میں وارد ہو جاتا ہے تو اُسے طے کردہ راستہ کی طرف نظر کرنیکی حاجت نہیں رہتی۔

नाहं तत्त्वं समं तत्त्वं कल्पनाहेतु वार्जितम् ।
ग्राह्य ग्राहक निर्मुक्तं स्वसंवेद्यं कथं भवेत् ॥२८

میں نہیں ہوں طالب و مطلوب ذات ما سوا
(۲۸) کیا مجھے اِدراک کر سکتی ہے عقلِ نارسا (حقیقت)

علمِ ذات بحرِ ذخّار ہے اور عقل کا پیمانہ محدود۔ اِسلیئے رازِ وحدت۔ اُن لوگوں پر آشکارا نہیں ہوتا جو عقل کی امتیازی طاقت پر بھروسہ کرکے واحدیت کو اصل و فرع میں منقسم مانتے ہیں یعنی دوئی پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

अनन्त रूपं न हि वस्तु किंचित्
तत्त्व स्वरूपं नहि वस्तु किंचित् ।
आत्मैकरूपं परमार्थ तत्त्वं
न हिंसको वापि न चाप्यहिंसा ॥२९

شعبدہ بازی ہے ساری کیا حقیقت کیا مجاز
(۲۹) شمع علمِ معرفت روشن ہے بے سوز و گداز (معرفت)

مجاز نمایاں اور حقیقت پوشیدہ ہے۔ اس میں کثرت کے آثار ہیں اور اس میں وحدت موجود ہے۔ اسلئے یہ ایک دوسرے کے متضاد واقع ہوئے ہیں۔ ذات علیم میں ایسے اتضاد کا امکان نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر جذبات میں گداز اور سوز کی تقسیم باطل ہے کہ وہ شاہدِ حقیقی محیط کل ہے۔

घटे भिन्ने घटाकाशं सुलीनं भेद वर्जितम् ।
शिवेन मनसा शुद्धो न भेदः प्रतिभातिमे ॥३०॥

فتح باب آسماں ہے کوزۂ گل کی شکست
(۳۰) نغمۂ سازِ حقیقت زعمِ باطل کی شکست (حجاب دوئی)

کوزۂ گل کے بننے اور بگڑنے سے خلے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسی طرح زعم خودی کی پیدائش وفنا سے قلبِ صافی متاثر نہیں ہوتا یعنی عارف کا دل مختلف جذبات سے پاک وصاف رہتا ہے۔

न घटो न घटाकाशो न जीवो जीव विग्रहः ।
केवलं ब्रह्म संविद्धि वेद्यवेदक वर्जितम् ॥३१॥

ذاتِ مطلق کے لئے نور و تجلّی کچھ نہیں
(۳۱) جسم و جاں ارض و سما کی پردہ داری کچھ نہیں (منظر وحدت)

ارض و سما کی تقسیم کثافت کے اعتبار سے ہے۔ جسم وجان کی تفریق لطافت کے اصول پر مبنی ہے۔ نور وجلوہ کا امتیاز ان دونوں سے بالاتر ہے اس لئے اُسے الطف کہتے ہیں۔ کثیف لطیف اور الطف کے ملنے سے ایک تلاثہ قائم ہوتا ہے جس میں نام ونشان موجود ہیں۔ یعنی ذات میں تلاثہ

سے بالاتر اور بے نام و نشان ہی۔ معرفت کے نقطۂ نگاہ سے اُس کی ہستی جامع ہے اور یہ ثلاثہ بے بود۔

सर्वत्र सर्वदा सर्वमात्मानं सततं ध्रुवम् ।
सर्वं शून्यमशून्यं च तन्मामविद्धि न संशयः ।। ३२

عالمِ امکاں ازل ہی سے مری جاگیر ہے
(۳۲) کیا ہمہ کیا ہیچ دونوں میں مری تنویر ہے (نورؔ اعلیٰ نور)

جلوۂ ذات میں کمی و بیشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وہ ہر وقت اور ہر شے میں مساوی ہے۔ خالی و پُر کا فرق بھی معرضِ بحث میں نہیں آسکتا۔

वेदा न लोका न सुरा न यज्ञा
वर्णाश्रमो नैव कुलं न जातिः ।
न धूम मार्गो न च दीप्ति मार्गो
ब्रह्मैकरूपं परमार्थ तत्त्वम् ।। ३३

اتصالِ کفر و ایماں - امتیازِ انس و جاں
(۳۳) اختلافِ قوم و ملت - فرقِ نسل و خانداں
علم کی ضو پاشیاں اور جہل کی تاریکیاں (نیرنگی)
احولیت کے یہ ساماں عینِ وحدت میں کہاں

واضح ہو کہ مشرک کی نگاہ علم و جہل۔ نیکی و بدی اور رُوح و مادہ کی دو رنگی میں ملوث ہوتی ہے۔ لیکن موحد کی نگاہ سب سے بے لوث رہتی ہے۔

व्याप्यव्यापकनिर्मुक्तः त्वमेकः सफलं यदि

प्रत्यक्षं चापरोक्षं च ह्यात्मानं मन्यसे कथम् ॥३४

تیری یکرنگی میں ہے معدومی نام و نشاں
(۳۴) کیوں تو خود کو مانتا ہے آشکار و نہاں (یک رنگی)

وُسعتِ توحید میں غیب و شہود کی حد بندی نہیں ہے اسلئے موحّد امتیازی نظر سے کام نہیں لیتا اور سکونِ دِل ہاتھ سے نہیں دیتا۔

अद्वैतं केचिदिच्छान्ति द्वैतमिच्छन्ति चापरे ।
समं तत्त्वं न विन्दान्ति द्वैताद्वैत विवर्जितम् ॥३५

شرک اور توحید سے رکھتے ہیں جو دِل بستگی
(۳۵) اُنپہ کھُلتا ہی نہیں رازِ حیاتِ سرمدی (مساوات)

جو بشر اپنی عقل پر بھروسہ کرکے ذات اور صفات کو دو مُستقل ہستیاں قرار دیتا ہے اُسے مُشرک کہتے ہیں۔ مگر جس نے اپنی قوّت اشراقیہ کی مدد سے اِس تقسیم کو رد کر دیا یعنی ذات کے سوا دیگر ہستی پر اعتبار نہیں کیا وہ موحّد کا لقب پاتا ہے۔ شرک اور توحید کے عقیدے ایک دوسرے کے مخالف ہیں اسلئے انھیں ادنیٰ اور اوسط درجہ حاصل ہے۔ واصلِ ذات کا نظریہ مساوات ہے۔ جس میں مُخالفت کا نام و نشان نہیں اسلئے وہ اعلیٰ مانا جاتا ہے۔

श्वेतादि वर्ण रहितं शब्दादिगुण वर्जितम् ।
कथयन्ति कथं तत्त्वं मनोवाचामगोचरम् ॥३६॥

پیکرِ اسم و صفت سے جو مُعرّا ہے اُسے
(۳۶) کیا نگاہِ چشمِ دِل دیکھے زباں ظاہر کرے (مشاہدہ)

صُورت اور سیرت جس شے میں موجود ہوں اُسے دِل ادراک کرسکتا ہے اور زبان بیان کرسکتی ہے۔ جو ہستی ان اضافات سے مُبرّا ہے اُس کی تفہیم و تفسیر دِل اور زبان کی طاقت سے باہر ہیں۔ لہٰذا اُس میں واصل ہونیکا واحد طریقہ ترکِ خودی ہے جسکو شاہراہِ فنا نامزد کرتے ہیں۔

यदाऽनृतमिदं सर्वं देहादि गगनोपमम् ।
तदाहि ब्रह्म संवेत्ति न ते द्वैत परम्परा ॥३७॥

جس گھڑی دُنیا نظر آتی ہے مانندِ خلا
(۳۷) محوِ عشقِ ذات ہوتا ہے خیالِ ماسوا (مکاشفہ)

طریقتِ فنا کا پیرو عالم کی نیرنگی کو نظرانداز کرتا ہُوا یکرنگی کا اِس قدر دِل دادہ ہو جاتا ہے کہ جُملہ موجودات اُس کی نگاہ سے خلا کی طرح غائب ہو جاتی ہیں۔ اِس کیفیت قلبی کو علم توحید کا انجام اور وِصال ذات کا آغاز سمجھنا چاہیئے۔ اِصطلاح صوفیہ میں وہ علم اِشراق موسُوم ہے۔

परेण सहजात्मापि ह्यभिन्नं प्रतिभातिमे ।
व्योमाकारं तथैवैकं ध्याता ध्यानं कथ भवेत् ॥३८

آسماں کی طرح اپنی جامعیّت مان کر
(۳۸) میں کن آنکھوں سے بناؤں غیر کو مدِّ نظر (معائنہ)

مجذوب کامل اپنی ہستی کو شانِ وحدت سے جُدا نہیں مانتا اسلئے کہیں غیریت نہیں دیکھتا۔ دیگر لفظوں میں اُسے موحّد کا درجہ حاصل ہے یہ شعر عرفان کی اصطلاح پر روشنی ڈالتا ہے۔

यत्करोमि यदश्नामि यज्जुहोमि ददामि यत् ।
एत त्सर्वं न मे किञ्चि द्विशुद्धो ह्यमजोऽव्ययः ॥३९

کاہشِ فعل و جزا - آسایشِ زُہد و سخا
مُجھپہ کیا اِنکا اثر ہو میں ہوں پاک و لافنا (۳۹) (محویت)

انسان کی عملی زندگی میں چار اجزا پائے جاتے ہیں۔ تحصیلِ معاش۔ حظِّ نفسانی۔ پرہیزگاری۔ اور ایثار نفسی۔ پہلے دو کا تعلق اس کے اپنے وجود سے ہے جسکا اِسی دنیا میں خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مگر پچھلے دو سے وہ عاقبت کا سرمایہ جمع کرتا ہے جسکا کسی وقت ختم ہونا لازمی ہے۔ غرضکہ یہ چاروں محدود اور فانی ہیں۔ رُوح انسان لامحدود اور باقی ہے اسلئے اُسکو اِن سے واسطہ نہیں جذبِ کامل کا نقشہ اس شعر میں کھینچا گیا ہے۔

सर्वं जगद्विद्धि निराकृतीदं
सर्वं जगद्विद्धि विकार हीनम् ।
सर्वं जगद्विद्धि विशुद्ध देहं
सर्वं जगद्विद्धि शिवैकरूपम् ॥४०॥

درحقیقت یہ جہاں خالی نہیں معمُور ہے
جلوۂ حق ہی نہیں ہے بلکہ حق کا نُور ہے (۴۰) (ہمہ دیدار)

عالم کا وجود باطل ثابت نہیں ہوتا اسلئے کہ حق کے سوا کوئی ہستی قرار نہیں دی جاسکتی۔ عشقِ حقیقی اس امر کی تصدیق کرتا ہے۔

तत्त्वं त्वं हि न संदेहः किं जानाम्यथवा पुनः ।

असंवेद्यं स्वसंवेद्य मात्मानं मन्यसे कथम् ॥४१॥

میں ہوں بیشک علم ولاعلمی میں یکساں آشکار
(۴۱) پاک ہے رنگ دوئی سے میری چشم اعتبار (عشق ازل)

ذات علیم نہ تو جہل میں پنہاں ہوتی ہے اور نہ دانش سے عیاں۔ جہل کا خاتمہ علم الیقین میں ہوجاتا ہے اور دانش کا انجام عین الیقین میں۔ حق الیقین کا درجہ دونوں سے بالاتر ہے کہ وہاں علیم ہی علیم ہے۔ اسے عریانی ذات کا حیرت انگیز منظر کہنا چاہیئے۔

मायाऽमाया कथं तात छायाऽच्छाया न विद्यते।
तत्त्वमेकमिदं सर्वं व्योमाकारं निरञ्जनम् ॥४२

ماسوا وذات۔ عکس وشخص کا قصہ نہیں
(۴۲) حسن لامحدود بے پردہ عیاں ہے ہر کہیں (حسن ازل)

شخص اور عکس باہم ہوکر تعلق نہیں رکھتے چنانچہ شخص اپنے عکس کو دیکھتا ہے اور عکس اسے نہیں دیکھ سکتا۔ ان دونوں سے بے واسطہ وہ روشنی ہے جس کی وجہ سے یہ دورنگی کا تماشہ دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح ذات وصفات لازم ملزوم ہوکر ایک دوسرے کے مقابل ہیں مگر حسن ازل انھیں ظہور دینے پر بھی ان سے بالاتر ہے۔

आदिमध्यान्त मुक्तोऽहं न बद्धोऽहं कदाचन।
स्वभाव निर्मलः शुद्धः इति मे निश्चिता मतिः ॥४३

(۴۳) بود وایجاد و فنا میں میری پابندی نہیں (بے حد)

میں تو ایک آزادیٔ کامل پہ رکھتا ہوں یقیں

موحد کامل فرماتے ہیں کہ اُن کی ہستی تثلیث افعالی سے بے واسطہ ہے یعنی لطیف تر ہونے کے باعث ایسی کثافت سے پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم ذات کو جملہ اشغال پر سبقت حاصل ہے۔

महदादि जगत्सर्वं न किञ्चित्प्रतिभातिमे ।
ब्रह्मैव केवलं सर्वं कथं वर्णाश्रमास्थितिः ॥४४

میری نظروں سے نہاں ہے سارے عالم کا وجود
(۴۴) مجھ پہ کیا لازم ہوں احکامِ شریعت کی قیود (بے نیاز)

جب تک بشر اِس عالم کو بجا اور درست مانتا ہے اُس کے دل کی تیرگی و اضطراب دور کرنے کے لئے پابندیٔ شریعت ضروری ہے۔ مگر عالم کی بے ثباتی معلوم ہونے پر یہ ضرورت رفع ہو جاتی ہے۔ اِس عروج باطنی کا نام صفائے قلب ہے۔

जानामि सर्वथा सर्वं महमेको निरन्तरम् ।
निरालम्बमशून्यं च शून्यंव्योमादि पञ्चकम् ॥४५

جانتا ہوں میری ہستی ہے قدیم و استوار
(۴۵) واحد و بالذات قائم اور سب ناپائدار (بے زوال)

موحد کی نگاہ میں پنج عناصر اور اُن کے مرکبات کوئی وقعت نہیں رکھتے کیونکہ وہ وحدتِ حق پر اعتبار کرتا ہے اور جلوۂ کثرت کو باطل جانتا ہے۔

न षण्ढो न पुमान्स्त्री न बोधो नैव कल्पना ।

सानन्दो वा निरानन्दमात्मानं मन्यसे कथम् ॥४६

تو نہیں دانشور و اُمیؔ مخنّث - مرد و زن
(۴۶) کیوں ہے پھر رسوائے حظِّ نفس و پابندِ محن (بے لوث)

اِنسان کے وجود میں مرد و زن اور مخنّث کی خصوصیات موجود ہیں۔ ساتھ ہے اِسکے دِل میں جہل و دانش کے متضاد اوصاف اور تکلیف و آرام کے مخالف احساسات داخل ہیں۔ مگر علم ذات کے حاصل ہونے پر یہ طلسم نیرنگی مٹ جاتا ہے۔ مجذوب کامل اپنی جان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ان توہّمات میں گرفتار رہنا اور اذیّت پانا واجب نہیں ہے۔ تو ذلت اور رُسوائی نہ اُٹھا بلکہ اپنی عظمت کو برقرار رکھ۔

षडंग योगान्न तु नैव शुद्धं
मनोविनाशान्न तु नैव शुद्धम् ।
गुरूपदेशान्न तु नैव शुद्धं
स्वयं च तत्वं स्वयमेव बुद्धम् ॥४७॥

بحر دیگر
مجاہدے کے اثر سے باہر مکاشفہ کی نگہ سے برتر
(۴۷) کلامِ مُرشد سے بھی فزوں تر تو آپ ہادی ہے آپ رہبر (روشن بالذات)

حواس کی کثافتیں سعیٔ ضبط سے دور کی جاتی ہیں۔ مگر جان اور حواس ایک نہیں ہیں اسلئے اُسے ضبط حواس کی ضرورت نہیں ہے۔ دِل کو ترک جذبات سے قرار حاصل ہوتا ہے مگر جان میں کسی قسم کی بیقراری نہیں اسلئے وہ ایسے ترک سے بھی بے تعلق رہتی ہے۔ مُرشد کی تلقین مُرید کی عقل کو روشن کرتی ہے لیکن

جو ہستی خود بخود روشن ہو اُس پر کسی کا روشنی ڈالنا بے معنی ہو۔ اگرچہ ان وسائل سے اُسکی قربت میسر ہوتی ہو پھر بھی اُسکا وصال اُسی کے اختیار میں ہے یا لفظ دیگر طریقت۔ حقیقت اور معرفت کی منازل طے کرتے ہوئے وہ اپنی رہنما آپ ہے۔

नाहं पञ्चात्मको देहो विदेहो वर्तते नाहि।
आत्मैव केवलं सर्वं तुरीयं च त्रयं कथम् ॥४८॥

ہست مُطلق میں نہیں رُوح و جسد کا امتیاز
(۴۸) ہوش و غفلت خواب و بیداری سے ہے وہ بے نیاز (رُوح جسد)

پانچ عنصروں کی ترکیب سے جو شئے پیدا ہو اُسکا نام جسد ہے اور وہ مادی ہونے کے باعث فنا پذیر ہے۔ مگر رُوح مُنفرد اور غیر مادی ہونے کی حیثیت سے لافانی ہے۔ ان کے باہمی تعلق میں وہ چار حالتیں انسان پر یکے بعد دیگرے گذرتی ہیں جنکی تفصیل اس شعر میں درج ہے۔ ہستِ مُطلق کی ان حالتوں میں سے کسی کے ساتھ شراکت نہیں ہو کہ وہ ازلی و ابدی ہے۔

न बद्धो नैव मुक्तोऽहं न चाहं ब्रह्मणः पृथक्।
न कर्ता न च भोक्ताहं व्याप्यव्यापकवर्जितः ॥४९॥

برتر از فعل و جزا بے فکر بند و مخلصی
(۴۹) گردشِ بود و فنا سے بھی ہستی ہے بری (علم و عمل)

فعل و جزا۔ بند و مخلصی اور بود و فنا۔ لازم ملزوم ہیں مگر ہستِ حق ان دو نوں کا روادار نہیں ہے کہ وہاں کیفِ نجات علم و عمل کی جدوجہد کا نتیجہ

यथा जलं जलेन्यस्तं सलिलं भेद वर्जितम्।

प्रकृतिं पुरुषं तद्वदभिन्नं प्रतिभाति मे ॥५०॥

ملکے دریا میں جُدا قطرہ نظر آتا نہیں
(۵۰) جزو واصل ہوکے کُل میں مُنفرد اصلا نہیں (جزو کُل)

آب کی ماہیت پر غور کیا جائے تو قطرہ اور دریا میں فرق ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح اصلیت پر نظر کرنے سے جزو کُل کے درمیان کوئی حدِّ فاصل دریافت نہیں ہوتی۔ علم عرفان اِس امر کی تصدیق کرتا ہے یعنی ایک ہستی کو بلاتقسیم مانتا ہے برخلاف اِسکے عقلِ محدود اُس کو ذات اور صفات پر منقسم فرض کرتی ہے۔

यदिनाम न मुक्तोऽसि न बद्धोऽसि कदाचन ।
साकारं च निराकारमात्मानं मन्यसे कथम् ॥५१

رازِ بند و مخلصی گر تیرے دل پہ ہے عیاں
(۵۱) کیوں تو خود کو مانتا ہے آشکارا و نہاں (غیب و شہود)

عارف کے صفحۂ دل سے ظاہر و باطن کے نقوش مٹ جاتے ہیں ورنہ اُنکی موجودگی میں وہ مُشرک بنجاتا ہے اور وصالِ ذات سے محروم رہتا ہے۔

जानामि ते परं रूपं प्रत्यक्षं गगनोपमम् ।
यथापरं हि रूपं यन्मरीचि जल सान्निभम् ॥५२

میں سمجھتا ہوں تجھے بے لوث مانندِ خلا
(۵۲) دیکھتا ہوں نیز وہ جلوہ سراب آسا ترا (حق و باطل)

عارف کامل ذات کی ہستی میں ماسوا کی معدومیت جانتا ہے یعنی

وحدت خالص پر اعتبار کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر واحد ہستی کبھی پردۂ خفا سے باہر نہیں آتی۔

न गुरुर्नोपदेशश्च न चोपाधिर्न च क्रिया ।
विदेहं गगनं विद्धि विशुद्धोऽहं स्वभावतः ॥५३

مُرشد و تعلیم۔ ربط و ضبط سی میں دُور ہوں
(۵۳) خود شناسی کی فضا میں جلوۂ پُر نُور ہوں (ذات و ماسوا)

خود شناس کو کسی مرشد سے تعلیم پانے اور اُس پر کاربند ہونیکی ضرورت نہیں رہتی اسلئے کہ احساس اور اعمال کی کثافتوں سے پاک ہو کر اوسکا دِل جلوۂ ذات کے دیدار میں آئینہ وار مصروف رہتا ہے۔

विशुद्धोऽस्य शरीरोऽसि न ते चित्तं परात्परम् ।
अहञ्चात्मा परं तत्त्वमिति वक्तुं न लज्जसे ॥५४॥

کیا تو ذاتِ پاک و برتر ہو کے لاثانی نہیں
(۵۴) کیا انا الحق کی صدا سے تیری بدنامی نہیں (توحید و شرک)

وحدۂ لاشریک میں خیال و زبان کو گنجایش نہیں اسلئے خُدائی کا دعوے شرک کی دلیل اور انا الحق کا کلمہ رُسوائی کا موجب ہے۔

कथं रोदिषि रे चित्त ह्यात्मैवात्मात्मना भव ।
पिब वत्स कलातीतमद्वैतं परमामृतम् ॥५५॥

اے خیالِ مُنتشر باطِن میں ہو جا محوِ ذات
(۵۵) بے تکلّف نُوش کر توحید کا آبِ حیات (توجّہ)

مجذوب کامل اپنے دل سے خطاب کرتے ہیں "تیرا اضطراب بیجا ہے تو ذاتِ پاک سے جُدا نہیں بلکہ وہی ہے۔ پردۂ دوئی اُٹھا دے اور توحید کا راحت فزا منظر دیکھ لے۔ اِس یقین سے تو بیشک زندۂ جاوید ہو جائیگا"

नैव बोधो न चाबोधो न बोधाबोध एव च ।
यस्येदृशः सदाबोधः स बोधो नान्यथा भवेत् ॥५६

(۵۶) ہوش و غفلت اور اِنکا سلسلہ تجھ میں نہیں
تو ہے کیفِ بیخودی یکساں ہویدا ہر کہیں (اشراق)

ہوش و غفلت اور اِن کا اشتراک جان کی صفت نہیں ہیں اسلئے تو انھیں جان سے منسوب نہ کر امر واقعی یہ ہے کہ اُسکا نورِ عقل دل اور حواس کو روشنی دیتا ہوا کہیں کم و بیش نہیں ہے۔

ज्ञानं न तर्को न समाधियोगो
न देश कालौ न गुरुपदेशः ।
स्वभाव संवित्तिरहं च तत्त्व
माकाश कल्पं सहजं ध्रुवं च ॥५७॥

(۵۷) علم معقولات و کشف و محویت تجھ میں نہیں
حرف و صوت آسا کلامِ معرفت تجھ میں نہیں
تیری ہستی ہے ازل سے خود بخود جلوہ کُناں
تا ابد موجود اور بے لوث مثلِ آسماں (عرفان)

علم ظاہری کے قانون سے واقف ہونا معقولات ہے۔

عالمِ باطنی کے اسرار سے آگاہ ہونا کشف کہلاتا ہے۔ ان سے افضل استغراق ہے کہ جس میں ان دونوں کا پتہ نہیں چلتا۔ اسکا نام محویت ہے۔ یہ علمی تثلیث کی روداد ہے۔ اِس شعر میں حرف و صوت کا اشارہ ظرفِ مکانی و زمانی پر ہے جن کی موجودگی میں مُرشد کا کلام مُرید کے کان تک پہنچتا ہے یہ ارادی تثلیث کا بیان ہے مگر ذاتِ نامتناہی ہر دو تثلیث سے بے تعلق رہ کر خلا کی طرح مُحیط اور مساوی ہے۔

न जातोऽहं मृतो वापि न मे कर्म शुभाशुभम् ।
विशुद्धं निर्गुणं ब्रह्म बन्धो मुक्तिः कथं मम ॥५८

جس سے بیگانہ ہیں نیکی و بدی۔ مرگ و حیات
(۵۸) کیا وہ ذاتِ سرمدی ہو تابع بند و نجات (وصالِ ذات)

وہ ذات پیدائش اور فنا کے دائرے میں نہیں آتی اور نیک و بد اعمال کے اثرات قبول نہیں کرتی اسلئے تناسخ سے رہا ہونیکا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ شعر واحد ہستی کو جُملہ صفات سے مُبرّا اور مادّی تثلیث سے بالا بتاتا ہے۔

यदि सर्वगतो देवः स्थिरः पूर्णो निरन्तरः ।
अन्तरं हि न पश्यामि सबाह्याभ्यन्तरः कथम् ॥५९

ایک ذات لایزالی مستقر ہے ہر جا
(۵۹) اسلئے میرے یقین میں ظاہر و باطن نہیں (علمِ یقین)

چشم و دل کی تحقیقات پیدا ہوئی ہے۔ جستجو تک موجود ہے اسلئے

اِنکا دخل جان کے مساوانی منظر میں نہیں ہے۔ مگر عقلِ سلیم جسکا دوسرا نام عرفان ہے جان کی حقیقت تک پہنچتی ہے۔ اِصطلاح صوفیہ میں اسے علم الیقین کہتے ہیں۔

दृष्टुस्त्वं जगत्कृत्स्नम् अखिलं निरन्तरम् ।

अहो माया महामोहो द्वैताद्वैत विकल्पना ॥६०॥

حق شناسوں کے لئے یکرنگ ہے سارا جہاں

(۶۰) ہیچ و بے معنی ہیں اصل و فرع کی نیرنگیاں (عین الیقین)

عارف کی نگاہ ذات و صفات کی تفریق میں نہیں اُلجھتی ہے، وہ اِسے لاعلمی کا نتیجہ جانکر وحدتِ کاملہ کا معتقد رہتا ہے۔ یہ عین الیقین کا درجہ ہے۔

साकारं च निराकारं नेति नेतीति सर्वदा ।

भेदाभेद विनिर्मुक्तो वर्तते केवलः शिवः ॥६१

نیست بیشک نیست ہے یہ جلوۂ بود و نبود

(۶۱) ہر کہیں موجود ہے وہ ناظرِ غیب و شہود (حق الیقین)

واصلِ حق کی نظر نقطۂ توحید پر جمی رہتی ہے چنانچہ وہ عقل کی رو سے صفحۂ ہستی کو حق و باطل میں تقسیم نہیں کرتا فی الحقیقت وصالِ ذات میں ایسی حد بندی نہیں ہے۔ اِسے حق الیقین کی منزل کہتے ہیں۔

न ते च माता च पिता च बन्धुः

न ते च पत्नी न सुतश्च मित्रम् ।

न पक्षपाती न विपक्षपातः

कथं हि संतप्तिरियं हि चित्ते ॥६२॥

کون ہیں تیرے قرابت مند مادر اور پدر
(۶۲) کس کو کہتا ہے تو اپنا یار زوجہ اور پسر (ضبطِ حواس)
دُوستی و دُشمنی کا کس پہ دعویٰ ہے تجھے
مُضطرب بیوجہ تیرا دِل ہے اِن افکار سے

دُنیوی تعلّقات سے دلبستگی فضول ہے کہ وہ ناپائدار ہیں۔
اور رُوحِ بشر کو دامِ اُلفت میں گرفتار کر کے اصلی آزادی سے محروم رکھتے ہیں۔
شوق و نفرت کا ترک اِس شعر میں بتایا گیا ہے۔

दिवा नक्तं न ते चित्त उदयास्तमयौ न हि ।
विदेहस्य शरीरत्वं कल्पयन्ति कथं बुधा ॥६३

جلوہ ہائے روز و شب شام و سحر سے بے نیاز
(۶۳) چشمِ عارف میں نہیں رُوح و جسد کا امتیاز (مساواتِ نظر)

کُرۂ آفتاب میں دِن رات اور صبح و شام کے مظاہرے نہیں ہیں۔
ایسے ہی ذاتِ مُطلق میں رُوح و جسد کی تقسیم نہیں ہے اے نگاہِ پاک تو کثافت اور
لطافت کا وہم دُور کر کے یکرنگ ہو جا۔

नाविभक्तं विभक्तं च न हि दुःखसुखादि च ।
नहि सर्वमसर्वं च विद्धि चात्मानमव्ययम् ॥६४॥

جُز و کُل۔ وصل و جُدائی۔ راحت و تکلیف سے
(۶۴) بے تعلّق اور برتر اپنی ہستی جان لے (سکونِ قلب)

راحت و کُلفت کا احساس۔ جُز و کل کا امتیاز۔ اور ہجر و وصال کا خیال

صفائی شعبے ہیں جنسے ذات کا واسطہ نہیں ہے اے دل مضطر تو ایسی آلایش سے پاک ہوکر اطمینان حاصل کر۔

नाहं कर्ता न भोक्ता च न मे कर्म पुराधुना ।
न मे देहो विदेहो वा निर्ममेति ममेति किम् ॥६५

میں نہ پہلے تھا نہ اب ہوں شاملِ فعل وجزا
(۶۵) ذمہ دارِ جسم وجاں - پابندِ ذات وماسوا

شریعت روح کا جسم میں نزول بتاتی ہے۔ وصاف ...
... مانتی ہے نیز اعمال و نتائج کا لازم ملزوم ہونا قرار دیتی ہے۔ لیکن یہ مسا...
علم معرفت کی روشنی میں سایہ کی طرح گم ہو جاتے ہیں۔

न मे रागादिको दोषो दुःखं देहादिकं न मे ।
आत्मानं विद्धि मामेकं विशालं गगनोपमम् ॥६६

[illegible]
(۶۶) میری ہستی واحد وساکن ہے مانند ...
جسم کے تغیرات اور جذبات کی فتنہ پردازی سے دور ...
اسلئے کہ وہ خلا کی طرح محیط اور بے لوث ہے۔

[illegible] मनः किं बहु जल्पितेन
सखे मनः सर्वमिदं वितर्क्यम् ।
[illegible]मं कथितं मया ते
[illegible] गगनोपमो[illegible] ॥६७

اے دلِ مہجور۔ لاحاصل ہے اب طولِ بیاں

(۶۷) صاف کہتا ہوں فقط وہمِ نظر ہے یہ جہاں

مجھ سے سن لے مختصر لفظوں میں اک رازِ نہاں (خوشنامی)

تو ہی ہے ذاتِ لطیف و پاک مثلِ آسماں

علمِ توحید کا خلاصہ یہی ہے کہ ذات واحد بلا شرکت غیرے ہے اے دلِ ناداں تو اس مرتبہ سے آگاہ ہو اور قیل و قال سے باز آ۔

येन केनापि भावेन यत्रकुत्र मृता अपि ।
योगिनस्तत्र लीयन्ते घटाकाश मिवाम्बरे ॥६८

ہو کہیں بھی اور کسی حالت میں اُس کا انتقال

(۶۸) اہلِ باطن کے لئے مخصوص ہے حق کا وصال (مثنوی)

عارف کی زندگی کہیں اور کسی حالت میں ختم ہو جائے وہ وصلِ حق کا مستحق ہے کیونکہ یہ قاعدۂ کلیہ ہے۔ ایسے شخص کا یقین ہر شے روز سے پاک ہو جاتا ہے اسلئے مرگ کے موقع اور وقت اُسکی نجات میں حارج یا مددگار ثابت نہیں ہوتے

तीर्थे वा ऽन्त्यजगेहे वा नष्टस्मृतिरपि त्यजन् ।
समकाले तनुं मुक्तः कैवल्यव्यापको भवेत् ॥६९

خواہ معرفت میں ہو یا حالتِ [illegible]

(۶۹) نزع کی بے ہوشی میں تارک ہو اپنے جسم [illegible]

[illegible]

نورِ وحدت میں [illegible]

عارف کی وفات کسی متبرک مقام پر ہو یا کسی عشرت کدہ میں اُسوقت روز روشن ہو یا شبِ تاریک وہ آخری دم ہوش میں رہے یا بیہوش ہو جائے ہر حال میں اُسے وصالِ ذات حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں نقوش ہستی کے اثرات سے فرصت پاکر مساواتِ نظر کا عادی ہو گیا ہے۔

धर्मार्थ काम मोक्षांश्च द्विपदादि चराचरम् ।
मन्यन्तेयोगिनः सर्वं मरीचिजल सन्निभम्॥७०॥

(۷۰)
وہ بشر جس کو میسّر ہے نگاہِ انتخاب
دیکھتا ہے اصلیت سے دُور مانندِ سراب (جذب)
دین و دُنیا شوق و رم کے مختلف جذبات کو
جملہ اشیائے مادّی اور حیوانات کو

دُنیا دار دولت حکومت اور آسایش چاہتا ہے۔ دیندار عُقبیٰ کی راحتوں کا اُمیدوار بنتا ہے۔ طالبِ حق وصال کی آرزو دل میں رکھتا ہے غرض کہ یہ تینوں پابندِ تمنّا رہتے ہیں۔ بے تمنّائی عارف کے لئے مخصوص ہے جسکے فیض سے وہ جلوۂ کثرت کو موہوم جانتا ہے اور نورِ وحدت میں سماتا ہے ایسے نادر الوجود کی نجات یقینی امر ہے۔

अतीतानागतं कर्म वर्तमानं तथैव च ।
न करोमि नभुञ्जामि हति मे निश्चला मतिः ॥७१॥

(۷۱)
حال ماضی اور مستقبل میں فرصت ہے مجھے
فاعلیت کے گماں اور ثمرۂ افعال سے (سلوک)

زما ، کی تقسیم سہ گانہ کے بموجب انسان کے افعال گذشتہ موجودہ اور آئندہ قرار دئے جاتے ہیں لیکن ان سے اس کی روح متاثر نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بوجہ لاعلمی خود کو مختار مانتا ہے اور جزا اور سزا کے خیال سے اذیت پاتا ہے مگر ترکِ خودی سے یہ لاعلمی دور ہو جاتی ہے اور راحتِ جاں میسر ہوتی ہے۔

اودھوت دتاتریہ فرماتے ہیں کہ یقیناً اُن کے چشمِ دل کے سامنے سے پردۂ خودی ہٹ گیا ہے۔ اور وہ حیاتِ ابدی کے مسکن میں قیام پذیر ہیں۔

शून्यागारे समरसपूत
स्तिष्ठन्नेकः सुखमवधूतः ।
चरति हि नग्नस्त्यक्त्वा गर्वं
विन्दति केवलमात्मनि सर्वम् ॥७२॥

منزلِ عرفاں میں آبِ زندگی سے سیر کام
ایک سالک کو میسر ہے کبھی لطفِ قیام (۷۲) (عشق)
اور کبھی وہ جذبۂ اشراق میں ہو کر رواں
دیکھتا ہے نقطۂ دل کو محیطِ دو جہاں

سوامی دتاتریہ اپنے کیفِ بیخودی کا بیان یوں فرماتے ہیں کہ بے تمنائی ان کی فطرت بن گئی ہے اور وہ جذب و سلوک کو نظر انداز کر کے موحد کا درجہ رکھتے ہیں

[illegible]
विन्दति केवलमात्मनि सर्वम् ।

धर्माधर्मौ नहि नहि यत्र
बद्धो मुक्तः कथमिह तत्र ॥७३॥

ہوش و غفلت خواب و بیداری سے برتر ہے وہ ذات
(۷۳) اُسپہ کیالازم ہوں نیکی و بدی - بند و نجات (رضاکاری)

جب تک حواس محسوسات سے تعلّق رکھتے ہیں وہ بیداری کی حالت ہے اس میں جو کچھ دیکھا یا سُنا گیا وہی سوتے وقت خیال کی طاقت سے متشکّل ہو جاتا ہے اور واقعی معلوم ہوتا ہے۔ اس حالت کو خواب کہتے ہیں۔ میں خوب چین سے سویا اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ یہ تذکرہ جس حالت کا ہے اُسکا نام غفلت ہے۔ چوتھی کیفیت وہ ہے جس میں ہوش و غفلت پر غالب آکر عقل دل اور حواس کو شفا بخشتا ہے۔ یہانتک طلسم ہستی موجود ہے اور اس کی شکستگی پر وصالِ ذات ہوتی ہے جسے یہ کیف رُوحانی میسّر ہوتا ہے اُسکے دِل سے نیکی و بدی کا گمان اور بند و نجات کا امتیاز رفع ہو جاتا ہے۔ اِس شعر میں قلّتِ الفاظ اور کثرت معنی قابل غور ہے۔

विन्दति विन्दति नहि नहि मन्त्रं
छन्दो लक्षणं नहि नहि तन्त्रम् ।
समरस मग्नो भावित पूतः
प्रलपतिमे तत्परमवधूतः ॥७४॥

راز دارِ جذبِ کامل - محوِ عشقِ جاوداں
(۷۴) یادِ حق کرتا ہے بے ربطِ دل و چشم و زباں (یادِ حق)

او دہوت دتاتریہ کا کلام اُن کی قوت اشراقیہ سے صادر ہوا ہے اور در اصل یادِ حق ہے۔ اِس طرزِ بیان کو اہلِ دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ فلسفی ایسے کلام کو معقولات کی کسوٹی پر کھینچتا ہے اور شاعر اسکا موازنہ زباندانی کے پایہ سے کرتا ہے مگر دونوں اپنی کوشش میں ناکام رہتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ قیل و قال سے فرد ں تر ہے یعنی حال کا مرقع ہے۔ علم معرفت کا مقصد اخلاقِ حسنہ اور تزکیہ نفس کا رد کرنا نہیں بلکہ اون پر روشنی ڈالنا ہے۔ یہ مشاغلِ ابتدائی ہیں جو کسی وقت مُنتہی کی نظر سے بلاکوشش گر جاتے ہیں۔

सर्वशून्यमशून्यं च सत्यासत्यं न विद्यते ।
स्वभावभावतः प्रोक्त शास्त्रसंवित्ति पूर्वकम् ॥७५॥

عینِ وحدت میں جُزو کُل۔ ظاہر و باطن نہیں
شرع سے ملتا ہے میرا قولِ فیصل ہر کہیں (۷۵) (کیف رُوحانی)

کسی بیخود پر جب رازِ وحدت کھُلتا ہے تو عالمِ کیف طاری ہو جاتا ہے جس میں اُسے جُزو کُل اور ظاہر و باطن کا امتیاز نہیں رہتا۔ اُسوقت جو کلام اُس کی زبان سے نکلتا ہے وہ قوتِ اشراقیہ کا فعل ہوتا ہے۔ چنانچہ اُس میں دِل چشم اور زبان کی کثافتیں نہیں پائی جاتیں۔ باوجود اسکے وہ کلام شریعت کے اصُول کو رد نہیں کرتا بلکہ اُن کے معنی واضح کرتا ہے۔ خُلاصہ یہ ہے کہ عارفِ کامل ایسے لوگوں کی گمراہی کا باعث نہیں ہوتا جو شرع کی پابندی سے صفائے باطن حاصل کرنے میں مصروف ہیں یعنی ابھی تک اُس راہ پر چل رہے ہیں جسے وہ خود طے کر چکا ہے اور جس کی طرف دیکھنے کی اُسے ضرورت نہیں رہی ہے۔

अथ द्वितीयोऽध्याय.
आत्मानुभव वर्णनम्
अवधूत उवाच

دُوسرا باب
مکاشفہ - اسرارِ حقیقت

مجذوبِ کامل فرماتے ہیں -

बालस्य वा विषयभोगरतस्य वापि
मूर्खस्य सेवकजनस्य गृहस्थितस्य ।
एतद्गुरोः किमपि नैव न चिन्तनीयं
रत्नं कथं त्यजति कोऽप्यशुचौ प्रविष्टम् ॥१॥

(۱) (تعظیمِ مرشد)

طفلِ ناداں یا جوانِ نفس پرور کوئی ہو
بے شعور و بے بضاعت یا تونگر کوئی ہو
اہلِ باطن پر حقارت کی نظر ہے ناروا
جوہری ہیرے کو کوڑی سے بھی لیتا ہے اٹھا

بنی نوعِ انسان میں بلاتخصیص علمِ ذات حاصل کرنے کی قابلیت ہے
اسلئے طفل کی سادہ لوحی - نوجوان کی عیش پسندی - ناخواندہ کی کم عقلی - ملازم
کی پابندی اور خانہ دار کی تونگری اُس کی رُوحانی ترقّی میں حارج اور مانع

نہیں ہوتی یعنی اُن میں سے کوئی بھی مرشدِ کامل کے درجے پر مُمتاز ہو سکتا ہے
مگر ایسی نادر ہستی کی شناخت ہر ایک کا کام نہیں۔ جوہری ہیرے کو کسی کوڑی
میں پڑا دیکھکر اُٹھا لیتا ہے اور اوسکی قدر کرتا ہے۔ اسی طرح کوئی طالب حق
پیرِ طریقت کو بلا لحاظ اِس امر کے کہ وہ مذکورہ بالا فریقوں میں سے کسی میں شامل
ہے اپنی ذکاوت سے ڈھونڈ لیتا ہے اور اُسکے سامنے زانوئے ادب تہ کرتا ہے

नैवात्र काव्यगुणा एव तु चिन्तनीयो
ग्राह्यः परं गुणवता खलु सार एव ।
सिंदूर चित्ररहिता भुवि रूपशून्या
पारं न किं नयति नौरिह गन्तुकामान्॥२

کیا ہوا اگر کوئی عارف ناظم و ناثر نہیں
نفسِ مضموں اخذ کرتا ہے مُبصّر ہر کہیں (۲)
کیا وہ کشتی جسکا ڈھانچہ ہی بلا نقش و نگار (کلامِ مرشد)
وار کے لوگوں کو لیجاتی نہیں دریا کے پار

عارف کے کلام میں بلاغت اور فصاحت تلاش کرنا بے سُود ہے
اسلئے کہ طالبِ معرفت کو مطلب کا سمجھ لینا کافی ہوتا ہے۔ مُرشد کے واسطے
ضروری نہیں ہے کہ وہ بلند خیال اور شیریں مقال ہو۔ اُسکی زبان کی سادگی
بجائے خود قابلیت کا ثبوت ہوتی ہے۔ ایک چوبی یا آہنی کشتی مسافر کو دریا کے
[illegible] اُسکے ڈھانچہ پر نقش و نگار کا ہونا یا نہ ہونا اس میں کسی قسم کی
[illegible] مضمون کی تعلیم کو کشتی سے نسبت دینا اور [illegible]

بیرُونی نمایش بتانا وہ تشبیہ ہی جس کو فاضل مصنف نے زمانۂ بعید میں دریافت کیا تھا اور جس کی نظیر موجودہ علم و ادب میں نہیں ملتی۔

प्रयत्नेन विना येन निश्चलेन चलाचलम् ।
ग्रस्तं स्वभावतः शान्तं चैतन्यं गगनोपमम् ॥३॥

جسکے ایما سے نہیں رُوح و مادّہ کا ظہُور
(۳) پاک ہے مثلِ خلا وہ منبع علم و سرُور (بے نیازی)

مادّہ فانی اور رُوح باقی ہی۔ مگر ان دونوں کا مشہود ذات پاک نہیں ہے کیونکہ وہ علیم اور مستغنی ہے۔ جُملہ اشیاء بصورتِ صفات خلے میں پیدا اور فنا ہوتی ہیں لیکن وہ ان تغیُّرات سے متاثر نہیں ہوتا۔ اِس اعتبار سے ذاتِ پاک کی بہترین مثال خلا مانا جاتا ہے۔

अयत्नाच्चालयद्यस्तु एकमेव चराचरम् ।
सर्वगं तत्कथं भिन्नमद्वैतं वर्तते मम ॥४॥

میری چشمِ مُعتبر میں ذاتِ واحد ہے محیط
(۴) یعنی ہر شئے سے عیاں ہی جلوۂ شانِ بسیط (شانِ یکتائی)

موحّدِ کامل فرماتے ہیں کہ اُن کی نگاہ رنگِ دوئی سے پاک ہے۔ اسلئے وہ جُزو کُل کے امتیاز سے بری ہیں۔

अहमेव परं यस्मात्सारासारतरं शिवं ।
गमागम विनिर्मुक्तं निर्विकल्पं निराकुलम् ॥५॥

(۵) میں ہوں اصل و فرع سے بالا حیاتِ جاوداں (لطافت)

آمد و شد سے منزّہ - برتر از وہم و گماں

اصل و فرع میں امتیاز نظرِ مغائرت ہی - مگر ذاتِ پاک اس سے بالاتر ہی

کہ وہ تناسخ کے وہم و گمان سے منزا ہر بلکہ عین علم اور عین راحت ہے -

सर्वावयव निर्मुक्तं तदंह त्रिदशार्चितम् ।
संपूर्णत्वान्नगृह्णामि विभागं त्रिदशादिकम् ॥६॥

میری ذاتِ پاک کے تابع ملائک ہیں سبھی
(۶) اور میرے نور کا جلوہ ہے ان کی زندگی (تقدیس)

وہ ذات مجملاً اور غیر منقسم ہے اور اس کی جلوہ گری میں جملہ ملائک کا قیام ہے بالفاظ دیگر اس کا نور واحد ہو کر ان کثیر ہستیوں کو ظہور دیتا ہے اگرچہ یہ سب عالم ایجاد میں کارپرداز ہونیکی حیثیت سے قابل قدر ہیں - لیکن وصال ذات سے محرومی کے باعث اسکے ہمپایہ نہیں - انسان سے انکا مقابلہ کیا جائے تو وہ بھی باینہمہ فوقیت رکھتا ہی کہ اس میں تحصیل علم ذات کی اہلیت ہے -

प्रमादेन न संदेहः किं करिष्यामि वृत्तिमान् ।
उत्पद्यन्ते विलीयन्ते बुद्बुदाश्च यथा जले ॥७

میری استغنا سے خارج ہیں سکون و اضطراب
(۷) سطح دریا پر ابھرتے اور مٹتے ہیں حباب (استغنا)

واصلِ ذات کا دل بحر اعظم کی طرح عمیق اور ساکن ہوا کرتا ہے چنانچہ اس میں شوق و نفرت داخل نہیں ہو سکتے بلکہ حباب کی طرح سطح آب پر پیدا ہو کر وہیں فنا ہو جاتے ہیں - دل کی اس کیفیت کا نام استغنا ہے

महदादीनि भूतानि समाप्यैवं सदैव हि ।
मृदु द्रव्येषु तीक्ष्णेषु गुडेषु कटुकेषु च ॥८॥

कटुत्वं चैव शैत्यत्वं मृदुत्वं च यथा जले ।
प्रकृतिः पुरुषस्तद्वद् भिन्नं प्रतिभाति मे ॥९॥

میٹھے کڑوے پھیکے کھٹے ذائقے تو ہیں سبھی
(۸) اصلِ اشیاء سے مگر اُن کی نہیں بیگانگی (ذات صفات)

عالمِ کثرت میں یوں ہے ایک ہستی رُونما
(۹) نیست ہے میری سمجھ میں فرقِ ذات و ماسوا

کسی شے سے اُسکا خاصّہ علیحدہ نہیں پایا جاتا۔ یہ امر ثابت کرتا ہے کہ ذات اور صفات میں امتیاز غلط ہے۔ موحّد اس رازِ ہستی سے واقف ہو کر دوئی کا قائل نہیں رہتا۔

सर्वाख्यारहितं यद्यत्सूक्ष्मात्सूक्ष्मतरं परम् ।
मनो बुद्धीन्द्रियातीतमकलङ्कं जगत्पतिम् ॥१०॥

ईदृशं सहजं यत्र अहं तत्र कथं भवेत् ।
त्वमेव हि कथं तत्र कथं तत्र चराचरम् ॥११॥

حدِّ معلومات سے باہر ہے رازِ سرمدی
(۱۰) کیا رسائی ہو وہاں عقل و دل و احساس کی (وحدت و کثرت)

آشکارا ہے سراسر جلوۂ وحدت نشاں
(۱۱) میں کہاں ہوں تو کہاں ہو اور یہ کثرت کہاں

ذاتِ پاک کو بے نام و نشان کہتے ہیں اسلئے کہ عقل دل اور حواس اُسکے ادراک سے قاصر ہیں اور اُس میں من و تو کا مظاہرہ بھی نہیں ہے۔ صرف مجذوب کی رسائی وہاں تک ہے کہ وہ ترک کے اصول پر کاربند ہو کر جلوۂ توحید کا ناظر بنتا ہے۔

गगनोपमं तु यत्प्रोक्तं तदेव गगनोपमम् ।
चैतन्यं दोषहीनं च सर्वज्ञं पूर्णमेवच ॥१२॥

نُطقِ اِنساں جس کو مانندِ خلا کہتی رہی
(۱۲)　حاضر و ناظر محیط و پاک ہستی ہے وہی　(قال و حال)

عارفوں نے اکثر ذاتِ برتر کی تمثیل میں خلے کو پیش کیا ہے اور اُن کا یہ عمل طالبانِ ذات کی رہنمائی کے لئے نہایت موزوں اور مفید ثابت ہوا ہے۔ پھر بھی اِس تمثیل سے حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا کہ وہ ذات لاثانی ہے۔ زبان سے کثیف اور لطیف مناظر کا بیان ہو سکتا ہے لیکن جو ہستی خود انکی ناظر ہے وہ ہمیشہ کلام سے بالاتر رہتی ہے۔

पृथिव्यां चरितं नैव मारुतेन च वाहितम् ।
वारिणा पिहितं नैव तेजोमध्ये व्यवस्थितम् ॥१३

وہ غبار آلود اور برباد ہو سکتی نہیں
(۱۳)　آب و آتش کے اثر سے اُسکی معدومی نہیں　(مجذوب)

اربعہ عناصر یعنی خاک آب آتش اور باد اُس ذات پہ اثر نہیں ڈال سکتے کہ یہ سب مادّی ہیں اور وہ غیر مادّی ہے۔ اِن کا وجود باطن سے

اور وہ عین حق۔

आकाशं तेन संव्याप्तं न तद्व्याप्तं च केनचित्

सबाह्याभ्यन्तरं तिष्ठत्यविच्छिन्नं निरन्तरम् ॥१४॥

یہ خلا بھی اُس محیطِ کُل کا ہم پلّہ نہیں

(۱۴) ظاہر و باطن سے وہ بیواسطہ ہر کہیں (ظہور و بطون)

موجُودات کا ظہور خلے میں ہے اور خلے کا قیام ذاتِ پاک سے۔ اسلئے وہ

وہ سبب اوّلیں ہو کر موجودات اور خلا دونوں سے منزّہ ہے۔

सूक्ष्मत्वाद्दृश्यत्वा न्निर्गुणत्वाच्चयोगिभिः ।

आलम्बनादि यत्प्रोक्तं क्रमादालम्बनं भवेत् ॥१५॥

نُورِ وحدت ہے کثافت اور لطافت سے بری

(۱۵) اِس لئے درجہ بدرجہ ہے عرُوجِ باطنی (کثافت و لطافت)

نُورِ وحدت کے سامنے مادّی۔ ارادی اور علمی تین حجاب حائل ہیں۔

چنانچہ اِن کے دور ہو جانے پر اُسکا دیدار میّسر ہوتا ہے۔ طالب صادق کو واجب ہے

کہ وہ مسلسل اور باقاعدہ کوشش سے اِن پردوں کو یکے بعد دیگرے ہٹا دے۔

اس طور پر جذبِ عشق رفتہ رفتہ بڑھتا ہے اور وصال ذات میں تکمیل پاتا ہے۔

सतताभ्यास युक्तस्तु निरालम्बो यदाभवेत् ।

तल्लयाल्लीयते नान्तर गुणदोष विवर्जितः ॥१६॥

شاغلِ روشن ضمیر و تارکِ امر و نہی

(۱۶) جلوۂ حق میں بلا کوشش سماتا ہے کبھی (کیف و کم)

جو شاغل اپنی توجہ کو صفاتی جلووں سے ہٹا کر خودشناسی میں مُنہمک کرتا ہے وہ سُرورِ ابدی کا حقدار بنتا ہی جہاں کہ زعم خودی اور اُسکے لوازم عذاب وثواب مفقود ہیں۔

विषविश्वस्य रौद्रस्य मोहमूर्च्छाप्रदस्य च ।
एकमेव विनाशाय ह्यमोघं सहजामृतम् ॥१७॥

نشہ آور اور مہلک زہر ہے بیدانشی
(۱۷) لیکن اِسکے واسطے تریاق ہے دانشوری (علم وجہل)

زہر کھانے والے کو زہر پہلے بیہوش کر دیتا ہی پھر مار دیتا ہے۔ اسی طرح زعم ہستی پہلے انسان کی عقل کو تیرہ کرتا ہے پھر اُس کی زندگی کا مقصد فوت کر دیتا ہے۔ تریاق کے استعمال سے زہر کے اثر کا دفعیہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی علمِ ذات خودبینی کے مریض کو شفا بخشتا ہے یعنی اُسکی روحانی طاقت کو نمایاں کر دیتا ہے۔

भावगम्यं निराकारं साकारं दृष्टिगोचरम् ।
भावाभाव विनिर्मुक्त मन्तरालं तदुच्यते ॥१८॥

وقفِ صورت ہے نظر۔ پابندِ معنی ہے خیال
(۱۸) لیکن اِن دونوں کی شاہد ہے وہ ذاتِ بیمثال (صورت ومعنی)

ہر کہیں صورت دکھائی دیتی ہے مگر معنی پوشیدہ رہتا ہی۔ پہلے کا نام ظہور ہے اور دوسرے کو بطون کہتے ہیں۔ ذاتِ پاک ثالث کی حیثیت سے دونوں کی ناظر ہے۔ یہ کیفیت قلبی معقولات کی حد سے باہر اور حیرت انگیز ہے۔

बाह्यभावं भवेद्विश्वमन्तः प्रकृतिरुच्यते ।
अन्तरादन्तरं ज्ञेयं नारिकेलफलाम्बुवत् ॥१९॥

چشمِ عالم ساز ہے۔ زُعمِ خودی دل میں دخیل
(۱۹) جان دو پردوں میں ہے مانندِ آبِ نارجیل (دیر و حرم)

حواسِ خمسۂ عالمِ بیرونی کی تحقیقات کرتے ہیں۔ اور دل اندرونی مناظر دیکھتا ہے یعنی ایک کثافت اور دوسرا لطافت کا نگراں ہے۔ ذاتِ برتر میں یہ دونوں آثار موجود نہیں ہیں اسلئے وہ انکے ادراک سے افزوں ہے۔ ایسی صورت میں وصالِ ذات کا واحد ذریعہ ترکِ خودی ثابت ہوتا ہے۔ فاضل مصنف نے اِس مسئلہ کی توضیح میں ناریل کی مثال دی ہے۔ ناظرین اسکی موزونیت پر غور کریں۔ ناریل میں باہر کی طرف سخت چھلکا ہوتا ہے وسط میں سفید گری ہوتی ہے اور دونوں کے اندر صاف پانی بھرا رہتا ہے۔ ایسی ہی شکل کرۂ زمین کی ہے مگر اسوقت مغرب کے علما اُسکی شکل نارنگی کی سی بتاتے ہیں اسلئے ان دونوں مثالوں کا مقابلہ معقولات کے نقطۂ نظر سے ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) نارنگی کے اوپر کا حصّہ اُبھرا ہوا اور نیچے کا حصّہ دبا ہوتا ہے۔ مگر کرۂ زمین کے شمالی اور جنوبی قطبوں کی شکل اُبھری اور دبی ہوئی نہیں ہے بلکہ قریبًا یکساں ہے اسلئے نارنگی سے ناریل کی مثال بہتر ہے۔

(۲) نارنگی کے چھلکے میں ناریل کے چھلکے کی طرح ریشے نہیں ہوتے حالانکہ روئے زمین پر نباتات کی روئیدگی نظر آتی ہے جو ناریل کی بیرونی ساخت کے مطابق ہے۔

(۳) نارنگی کے اندر پھانکے ہوتی ہیں لیکن ناریل کی سفید گری میں ایسی تقسیم نہیں ہے۔ اسلئے زمین کا اندرونی طبقہ نارنگی کے مقابلہ میں ناریل سے زیادہ مُشابہ ہے۔

(۴) نارنگی کی پھانکوں کے وسط میں کچھ خلو ہوتا ہے۔ ناریل میں بجائے اُسکے پانی بھرا رہتا ہے۔ کرۂ زمین کا مرکزی مقام بھی خالی نہیں ہے بلکہ رقیق مادّے سے پُر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نارنگی کی مثال کرۂ زمین کیواسطے ناکمّل ہے۔ اہل دانش کو اس تنقید سے معلوم ہوگا کہ اس مجذوب کامل نے جو مثال چھ ہزار سال بیشتر دی ہے وہ زمانۂ حال کی پیش کردہ مثال پر بہر نوع فضیلت رکھتی ہے۔

भ्रान्तिज्ञानं स्थितं वाह्ये सम्यग्ज्ञानं च मध्यगम्
मध्यान्मध्यतरं ज्ञेयं नारिकेलफलाम्बुवत् ॥२०॥

کُفر ہے باطِل نما۔ دِین ہے حق کا کفیل
(۲۰) علم عرفاں پاک ہے مانندِ آبِ نارجیل (کفر و دین)

رُوحانیت کے سامنے دو پردے حائل ہیں جنھیں جہل اور دانش کہتے ہیں۔ جہل نظر فریب اور باطل ہے۔ دانش نظر افروز اور حق نما ہے۔ مگر اُنمیں باہمی اتّضاد ہے۔ اسلئے یہ دونوں جلوۂ توحید کے دیدار سے معذور رہیں بر خلاف اسکے علم عرفان کا جوہر مساوات نظر ہے جس کی برکت سے بارگاہِ توحید تک رسائی ہوتی ہے۔ ناریل کا پانی اُسکے چھلکے اور گری سے زیادہ شفاف ہوا کرتا ہے ایسے ہی علم معرفت کو کفر و دین کی طریقوں پر فوق حاصل ہے۔

पौर्णमास्यां यथा चन्द्र एक एवातिनिर्मलः।
तेन तत्सदृशं पश्येद्द्विधा दृष्टिविपर्ययः ॥२१

دیدۂ اہلِ نظر میں ایک ہے بدرِ منیر
(۲۱) پھر بھی احول کی نگہ ہے احولیت میں اسیر (شرک)

پُورنماسی کا چاند نہایت روشن اور صاف ہوتا ہے پھر بھی بھینگے آدمی کو دو چاند نظر آتے ہیں۔ عارف نُورِ وحدت کا ناظر رہتا ہے مگر جہلا اُس پر شرک ماسوا کا گمان کرتے ہیں۔

अनेनैवप्रकारेण बुद्धिभेदो न सर्वगः।
दाता च धीरतामेति गीयते नाम कोटिभिः॥२२

وُسعتِ توحید میں شکلِ دوئی معدوم ہے
(۲۲) ایک ہستی بے شمار الفاظ سے موسوم ہے (توحید)

موحّد کی ذہنیت میں دورنگی کا نقص نہیں ہوتا اِس لئے وہ کامل مانی جاتی ہے اور اُسکا لازمہ حیرت اور خموشی ہوتے ہیں۔ مُلحد کو واحد ہستی میں شرک نظر آتا ہے۔ چُنانچہ وہ دلیل اور منطق سے کام لیتا ہے اور وحدت کی تعریف میں کثیر الفاظ استعمال کرتا ہے۔ موحد اور مُلحد کے عقیدوں کا توازن اِس شعر میں کیا گیا ہے۔

गुरुप्रज्ञाप्रसादेन मूर्खो वा यदि पंडितः।
यस्तुसंबुध्यते तत्त्वं विरक्तो भवसागरात् ॥२३॥

(۲۳) جاہل و ہشیار کا اِس بحرِ عالم سے گذر (مُریدی)

منحصر ہے اپنے مُرشد کی نگاہ لُطف پر

یہ جہان ایک دریائے طلسم ہے جس کے عبُور کرنے کو معرفت کی کشتی اور مُرشدِ کامل کی ملّاحی درکار ہیں اور ہر فردبشر ساحلِ نجات پر پہنچنے کا تمنّائی ہوکر مسافر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی کی عقلمندی سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا کہ ایک جاہل بھی کشتی پر سوار ہوکر ملّاح کی نگرانی میں پار لگ جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں یہ کہنا چاہیئے کہ پیرِ طریقت کے اشارے اور کلام سے جب مُرید پر رازِ حقیقت عیاں ہوتا ہے تو اُسے مغفرت ملتی ہے۔ پیری اور مُریدی کا سلسلہ اِس اصُول کے مطابق ہمیشہ سے جاری ہے۔

रागद्वेष विनिर्मुक्तः सर्वभूतहितेरतः ।
दृढ़बोधश्च धीरश्च स गच्छेत्परमं पदम् ॥२४॥

محرمِ عشق و فنا۔ لذّت کشِ صدق وصفا
(۲۴) دارِ فانی میں ہے رہروِ منزلِ جاوید کا (پیری)

شوق و نفرت سے دل کو پاک کرنا۔ جُملہ مخلوق کو مساوی جانکر اُن کی بہتری کے لئے ساعی ہونا۔ ساتھ ہی اپنے خیال کو مرکزِ وحدانیت پر قائم رکھنا منزلِ جاوید کی رہ نوردی ہے۔

घटेभिन्ने घटाकाश आकाशे लीयते यथा ।
देहाभावे तथा योगी स्वरूपे परमात्मनि ॥२५

ہے شکستِ کوزۂ گِل آسماں پر بے اثر
(۲۵) انتقالِ اہلِ دل روحِ رواں پر بے اثر (وصالِ حق)

کوزۂ گل کے ٹوٹتے ہی اندر اور باہر کا خلا ایک ہو جاتا ہے۔
اسی طرح قالبِ عنصری کی شکستگی پر رُوحِ منفرد اور روحِ اعظم کا فرق مٹ جاتا ہے۔ یہ عارفوں کی مرگ کا حال ہے۔ خود داروں کا انجام اس سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ہستی کو ہستِ مطلق سے جُدا اور پابند اعمال مانتے ہیں۔

उक्तेयं कर्मयुक्तानां मतिर्यान्तेऽपि सा गतिः ।
न चोक्ता योगयुक्तानां मतिर्यान्तेऽपि सा गतिः॥२६

جسکا جیسا شغل ہے ویسا ہی ہے اُس کا مآل
(۲۶) لیکن اِس معیار کے تابع نہیں اہلِ کمال (علم و عمل)

آدمی کی زندگی جن مشاغل میں بسر ہوتی ہے اُن کا نقشہ اُس کے ذہن میں بنا رہتا ہے اور وقتِ مرگ سامنے آتا ہے۔ شریعت اور طریقت کے پابندوں پر یہ قاعدہ حاوی ہے کہ زعمِ خودی کا تخم اُن کے مزرعۂ دل میں موجود رہتا ہے اور اُسکا نشو نما پانا لازمی ہے۔ برخلاف اسکے حقیقت اور معرفت کے پیرو زعمِ خودی سے پاک رہکر زندگی گزارتے ہیں یعنی تخمِ عمل کو عین حیات جلا دیتے ہیں اِسلئے وہ شیرازۂ عنصری کے بکھرنے پر وصالِ ذات حاصل کرتے ہیں۔ ایسی نادر ہستیاں قسمت کی کسوٹی پر نہیں چڑھتیں۔ دیگر الفاظ میں وہ فعل و ثمرہ سے بے لوث رہتی ہیں۔

यागतिः कर्मयुक्तानां साचवागेन्द्रियाद्वदेत् ।
योगिनां यागतिः क्वापि ह्यकथ्याभवताजिता ॥२७

عاملوں کے کشف کا اظہار کرتی ہے زباں
(۲۷) (کشف و کیف)
عارفوں کی کیفیت کا ہو نہیں سکتا بیاں

شرع نے نیک و بد اعمال کا نتیجہ بہشت اور دوزخ بتایا ہے مگر وصالِ ذات کا نقشہ نہیں کھینچا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ مناظر تو قیاس میں آسکتے ہیں لیکن یہ کیفیت قیاس سے برتر ہے۔

एवं ज्ञात्वा त्वमुं मार्गं योगिनां नैव कल्पितम् ।
विकल्प वर्जनं तेषां स्वयं सिद्धिः प्रवर्तते ॥२८॥

عارفانِ ذات کا معمول ہے ترکِ خیال
(۲۸) (نقص و کمال)
اور اسی صورت عمل میں پختہ کاری ہے کمال

اہلِ دانش ترکِ تمنّا کے اصول پر چلکر ذاتِ پاک کی قُربت رفتہ رفتہ حاصل کرتے ہیں اور وصالِ ذات کی منزل پر پہنچتے ہیں۔

तीर्थे चान्त्यजगेहे वा यत्र कुत्र मृतोऽपि वा ।
नयोगी पश्यते गर्भं परे ब्रह्मणि लीयते॥२६॥

خانۂ اوباش یا جائے مُقدّس ہو کہیں
(۲۹) (توجّہ)
عاشقوں کی مرگ محرومِ وصالِ حق نہیں

عارف کا انتقال کسی جگہ اور کسی وقت ہو وہ روشنضمیری کی وجہ سے ضرور واصلِ حق ہوتا ہے۔ تناسخ کا مسئلہ ان لوگوں کے دل میں جگہ کرتا ہے جنھیں عرفانِ ذات میسّر نہیں ہے۔

सहजमजमचिन्त्यं यस्तु पश्येत्स्वरूपं
घटति यदि यथेष्टं लिप्यते नैव दोषैः ।
सकृदपि तदभावात्कर्म किञ्चिन्नकुर्यात्
तदपिनचविबद्धः संयमी वा तपस्वी ॥३०

(۳۰) جلوۂ نُورِ ازل جس کو نظر آیا کبھی (اشراق)
وہ رضا کاری میں رہتا ہے گُناہوں سے بری
کُفر و ایماں۔ زُہد و رندی کے علایق سے جُدا
اُسکا مسلک آئینہ ہے ہستیٔ آزاد کا

نُورِ ذات کا جلوہ دیکھنے پر عارف رضا کاری کو اپنا شیوہ بنا لیتا ہے اور عذاب و ثواب کی قیود سے بری ہو جاتا ہے۔ چونکہ اُس کے تمام اعمال فطرتی بنجاتے ہیں اُن کا کرنا اور نہ کرنا مساوی ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو خانہ دار اور تارک دونوں کے حلقہ سے باہر ماننا واجب ہے۔ اِس لئے کہ وہ آزادیٔ کامل کا امین ہے۔

निरामयं निष्प्रतिमं निराकृतिं
निराश्रयं निर्वपुषं निराशिषम् ।
निर्द्वन्द्व निर्मोहमलुप्त शक्तिकं
तमीशमात्मानमुपैति शाश्वतम् ॥३१॥

(۳۱) قسمتِ عارف میں ہے اُس ذاتِ یکتا کا وصال (عرفان)
جسکو بتلاتے ہیں پوشیدہ قدیم و بے مثال
حاضر و ناظر۔ نمودِ جسم و جاں سے بے نیاز

لاتعیّن۔ لاشریک وخود بخود جلوہ طراز

عارف کی زیست پر روشنی ڈالنے کے بعد ان اشعار میں اُسکے انجام کی وضاحت کی گئی ہے یعنی وصالِ ذات اُسی کا حصّہ بتایا گیا ہے غیرِ عارف کا نہیں۔ یہاں فاضل مصنّف نے ذات کی توصیف میں جن الفاظ سے کام لیا ہے وہ قابلِ غور ہیں۔

वेदोनदीक्षा न च मुण्डनक्रिया
गुरुर्नशिष्यो न च यन्त्र संपदः ।
मुद्रादिकं वापि न यत्र भासते
तमीशमात्मान मुपैति शाश्वतम् ॥३२॥

(۳۲) علمیت۔ پرہیزگاری۔ ترکِ پندارِ خودی (محویت)

جستجو شاگرد کی اور رہنمائی پیر کی
ختم ہو جاتی ہیں جس منظر میں یہ نیرنگیاں
محرمانِ رازِ وحدت کی رسائی ہے وہاں

نیک مرد پہلے علمِ دیں کی تحصیل میں سعی کرتا ہے پھر کسی مُرتاض کی خدمت میں حاضر ہوکر ترکِ خودی کی طریقت دریافت کرتا ہے جس پر کاربند ہونے سے اُسے کشفِ باطن حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنے جذبات پر قبضہ پاتا ہے۔ اُسوقت مُرشد کی نگاہِ کرم سے اوسکی نجات کا در کھلتا ہے۔ رُوحانی ترقّی کے یہ مختلف مدارج ہیں۔ مگر انکا اختلاف آخری کیفیت میں معدوم ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی پیری ومریدی کی دوگانگی کا سلسلہ منقطع نظر آتا ہے

न शाम्भवं शाक्तिकमानवं न वा
पिंडं च रूपं च पदादिकं न वा ।
आरम्भ निष्पत्ति घटादिकं च नो
तमीशमात्मानमुपैति शाश्वतम् ॥३३॥

(۳۳) سالکؔ مجذوب وعابِل کا جہاں قصّہ نہیں (عشقِ ازل)
نوری وناری وخاکی جس جگہ پیدا نہیں
کوزۂِ گِل کی طرح بنتا نہیں مٹتا نہیں
رہروِ عشقِ حقیقی جا پہنچتا ہے وہیں

سالکؔ عشق کا سرمایہ دار ہے۔ مجذوب ذوقِ فنا سے روبکار۔ اور عابِل بیم وامید میں گرفتار۔ غرضکہ اِن تینوں فریقوں میں سے کسی کو آزادی میسّر نہیں ہے۔ دنیا میں ایسے ہی تین قسم کے وجود ہیں جنھیں نوری۔ناری اور خاکی کہتے ہیں۔ ملائک کی پیدائش نور سے ہے۔ ارواح مثل جِنّات ناری ہیں۔ انسان کو خاکی مانتے ہیں اسلئے کہ اسکا جسم عناصر کی ترکیب سے بنتا ہے اور یہ تینوں ہمہ داں نہیں ہوتے اسلئے عِلمِ ذات کے متلاشی رہتے ہیں۔ اب عالم بیرونی پر نظر کی جائے تو وہاں بھی ایجاد۔بود اور فنا کا ثلاثہ ہے۔ اور اس سے ذات پاک کی کُلیتاً جدائی ہے۔ اِن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ کیفِ وصال کا رُتبہ علمی۔ ارادی اور مادّی تثلیثوں سے بالاتر ہے۔

यस्यस्वरूपात्सचराचरं जगदु
त्पद्यते तिष्ठति लीयतेऽपिवा ।

पयोविकाराद्दिव फेनबुद्बुदा

स्तमीशमात्मानमुपैति शाश्वतम ॥३४॥

(۳۴) عالمِ ایجاد میں پرتو ہے جس کے نُور کا (حسنِ ازل)

بیحس و جاندار کی پیدائش و بود و فنا

اُس سے جا ملتا ہے آخر تارکِ عیب و صواب

یعنی آبِ بحرِ اعظم میں سماتا ہے حباب

آبِ دریا سے بیشمار حباب پیدا ہو کر تھوڑی دیر نظر آتے ہیں پھر اُسی میں غائب ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی روحِ اعظم سے لاتعداد ارواح نمود پا کر چندے عالمِ امکان کی سیر کرتی ہیں اور پھر ایسے پنہاں ہو جاتی ہیں جیسے حباب کی چشم کُشائی اُس کی جداگانہ ہستی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ رُوحِ بشر کی خوابِ غفلت سے بیداری اُسے مغفرت دلاتی ہے۔ واضح ہو کہ ہر شئے کا رجوع اپنی اصل کی جانب ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ کُلّیہ ہے۔

नासानिरोधो न च दृष्टिरासनं

बोधोऽप्यबोधोऽपि न यत्र भासते ।

नाडीप्रचारोऽपि न यत्र किंचित्

तमीशमात्मानमुपैति शाश्वतम् ॥३५॥

(۳۵) پاسِ انفاس و سکونِ قلب سے بے واسطہ (ذکر)

ہوش و غفلت کی نگاہ و دیدہ دوزی سے جُدا

حلقۂ رگہائے خونِ جسم پرور سے بری

جو مُقدّس ذات ہے واصِل کی ہستی ہے وہی

پاسِ انفاس میں شاغل اپنی نگاہ ناک کے بانسہ پر جما کر سانس کی آمد ورفت پر غور کرتا ہے۔ ایسا کرنے سے تھوڑی دیر کے بعد سانس کی رفتار ہموار معلوم ہوتی ہے اور ساتھ ہی دل کی پریشانی گھٹتی ہے۔ اس کے بعد وہ یکسوئی خیال میں سعی کرتا ہوا کبھی غافل ہو جاتا ہے اور کبھی ہوش میں آتا ہے۔ آخر کار اُسے کیفِ وصال نصیب ہوتا ہے جس میں عملی ثلاثہ کا خاتمہ اور عرفان کی بے حدی ہے۔

नानात्वमेकत्वमुभत्वमन्यता
अणुत्व दीर्घत्व महत्व शून्यता ।
मानत्वमेयत्व समत्व वर्जितं
तमीशमात्मानमुपैति शाश्वतम् ॥३६॥

(۳۶) وحدت و شرک و ثلاثہ کی جہاں گنتی نہیں (فِکر)

بیش و کم۔ خالی و پُر ہونا صفت جسکی نہیں

کہہ نہیں سکتے جسے ہموزن ہلکا اور گراں

رازدارانِ ازل کا پاک مسکن ہے وہاں

مادّی اشیاء کا اندازہ تعداد۔ حجم اور وزن میں کیا جاتا ہے۔ ذاتِ حق میں مادیّت نہیں اسلئے اسکا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ رُوحانیت کے اِس راز کا جاننے والا وصالِ ذات کا مستحق ہے۔

सुसंयमी वा यदि वा न संयमी
सुसंग्रही वा यदि व न संग्रही ।
निष्कर्मको वा यदि वा सकर्मक
स्तमीशमात्मानमुपैति शाश्वतम् ॥३७॥

(۳۷) مستِ جامِ خود پرستی ہو کہ کوئی ہوشیار (تصوّر)
عادیٔ خانہ بدوشی ہو کہ کوئی خانہ دار
مشربِ رندی میں ہو یا مردمِ پرہیزگار
اہلِ دل ہے منزلِ رُوحانیت کا تکیہ دار

جاہل و دانشور۔ خانہ دار و تارک۔ اور کافر و مومن کی زندگیوں کو موحّد کامل کی زندگی سے کوئی نسبت نہیں ہے کہ یہ ایک کے سوا کسی کا قائل نہیں ہوتا۔ اور اُن سب کے عقیدوں میں شرک بنا رہتا ہے۔

मनो न बुद्धि र्न शरीर मिन्द्रियं
तन्मात्र भूतानि न भूतपञ्चकम ।
अहंकृतिश्चापि वियत्स्वरूपकं
तमीशमात्मान मु पैतिशाश्वतम ॥३८॥

(۳۸) عقل و دل اور حِسّ و محسوسات کی آلودگی (ذوقِ فنا)
پنج اشکالِ مادّی و خواصِ عُنصری
نیز پندارِ خودی سے جس نے پائی مخلصی
درحقیقت منزلِ جاناں میں وارد ہے وُہی

عناصر اور اُن کے مرکّبات کثیف مانے جاتے ہیں۔ اسلئے حواس دِل

اور عقل لطیف قوتوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اِن دونوں طبقوں پر زُعم
خودی حکومت کرتا ہے اسلئے اُن سے افضل خیال کیا جاتا ہے۔ ایسے مجموعہ
کا نام انسانی حیات ہے جسکے بے ثبات ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہے
مگر رُوح انسان اسمیں شامل معلوم ہونے پر بھی اس سے بالکل جدا اور
ایک حال پر قائم ہے۔ روحانیت کی یہ شناخت منزلِ جاناں میں وارد
ہوتا ہے۔

विधौ निरोधे परमात्मतां गते
न योगिनश्चेतसि भेद वर्जिते ।
शौचं न वाऽशौचम लिङ्ग भावना
सर्वं विधेयं यदि वा निषिध्यते ॥३६॥

(۳۹) ربط و ضبطِ باطنی کی فرقہ داری سے جُدا (دیدارِ بقا)
رنگِ سوز و ساز کی حد بندیوں میں ایک سا
بیگناہی و گُنہگاری کی میزاں سے سوا
جسکا عرفاں ہے۔ وہی تو ہے سزاوارِ بقا

واصلِ حق کے دل میں ترک و اخذ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اوسکی
نگاہ شوق و نفرت میں ملوّث نہیں ہوتی نیز اوسکے اعمال پر عذاب و ثواب
کی بندش نہیں رہتی۔ سوامی دتاتریہ نے یہ حیاتِ ابدی کا نقشہ اہلِ ذوق
کی رہنمائی کے لئے کھینچا ہے۔

मनो वचो यत्र न शक्तमीरितुं
नूनं कथं तत्र गुरुपदेशता ।
इमां कथामुक्तवतो गुरोस्त
द्युक्तस्य तत्त्वं हि समं प्रकाशते ॥४०॥

جس کے ذکر وفکر میں معذور ہیں عقل وزباں
(۴۰) کیا کوئی مُرشد کرے ایسی حقیقت کا بیاں (وحدانیت)
رہنمائی کے لئے ہوتا ہے گو وہ لب کُشا
اُس کے چشم ودِل رہا کرتے ہیں وحدت آشنا

بے نام ونشان ہستی کے ادراک سے ہوش وخرد قاصر ہیں اور اُس کے بیان کرنے میں زبان معذور ہے۔ اِن وجوہات سے کسی مُرشد کی تعلیم اُس کے مُرید کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتی فقط رستہ دکھاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ معقولات میں دلیل سے کام لیا جاتا ہے اور کلام میں حرف وصوت کی پابندی ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کی طاقتیں محدُود ہیں۔ پھر بھی طالبانِ حق کو اُن سے مدد ملتی ہے اور سہولیت حاصل ہوتی ہے۔ مُرشدِ کامل تعلیم کا سِلسلہ جاری رکھتا ہوا نظر بالغیر نہیں ہوتا یعنی وحدتِ حق پر یقین رکھتا ہے چونکہ اوسکے ارشادات قلمبند ہو کر آئندہ نسلوں کو راہ راست دکھاتے ہیں اور کمالِ انسانی کی حد تک پہنچاتے ہیں۔ اسلئے متاخرین کا فرض ہے کہ وہ مُتقدّمین کی ایسی تصانیف کو زمانہ کی دستبرد سے بچائیں۔ اسکے مُطالعہ سے فیضیاب ہوں۔ اور فیض کی سبیل جاری کریں۔

अथ तृतीयोऽध्याय:

आत्मज्ञान वर्णनम्

अवधूत उवाच

تیسرا باب

معائنہ۔ رموزِ معرفت

مجذوبِ کامل فرماتے ہیں۔

गुण विगुण विभागो वर्तते नैव किञ्चि
द्रति विरति विहीनं निर्मलं निष्प्रपञ्चम् ।
गुण विगुण विहीनं व्यापकं विश्वरूपं
कथमहमिह बन्दे व्योमरूपं शिवं वै ॥१॥

(۱) اُس محیطِ کل سے میں کیونکر کروں عرضِ نیاز (برتر از صفات)
جس کی فطرت میں نہیں حسن و قبح کا امتیاز
جس میں آمیزش نہیں احساس اور جذبات کی
اور جس سے دور حد بندی ہے معقولات کی

واحد ہستی میں ذات و صفات کی تقسیم موجود نہیں ہے اور شوق و نفرت کے جذبات داخل نہیں ہیں۔ عقل کی امتیازی طاقت بھی اسکا راز فاش نہیں کر سکتی اسلئے اُس کی پرستش در اصل ناممکن ہے۔ اس بارے میں مجذوبِ کامل اپنی ناقابلیت کا اعتراف کر کے ترکِ تمنا کو وصالِ جاناں کا بہترین وسیلہ

بتاتے ہیں۔

श्वेतादिवर्ण रहितो नियतं शिवश्च
कार्यं हि कारणमिदं हि परं शिवश्च।
एवं विकल्परहितोऽहमलं शिवश्च
स्वात्मानमात्मनि सुमित्र कथं नमामि॥२॥

(۲) جس کی یکرنگی میں گم ہے جلوۂ کثرت نما (برتر از اعمال)
عالمِ اسباب سے جس کا نہیں کچھ واسطہ
اے عزیزِ من وہی تو ہے مری روحِ رواں
اپنے باطن کے سوا میں سر بسجدہ ہوں کہاں

صفات کی نیرنگی اور افعال کی سلسلہ جنبانی سے رُوحِ مقدّس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بھی وہ پیکرِ انسان میں ناظر کی حیثیت سے جلوہ افروز ہے۔ اگر کہیں اُسے تعظیم دی جا سکتی ہے تو وہ دِل صافی ہے۔ بیرونی سجدہ سے یہ مقصد پُورا نہیں ہوتا۔ اب ناظرین رباعیات کے اُس عجیب وغریب ذخیرہ کو غور سے ملاحظہ کریں جس میں اِس موحّد کامل نے خلے کی مثال دیگر علمِ توحید کے ہر مُمکن پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ یہ معنی خیز اور مدّلل تذکرہ دنیائے علم وادب میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔

निर्मूल मूल रहितोहि सदोदितोऽहं
निर्धूम धूम रहितो हि सदोदितोऽहं।
निर्दीप दीप रहितो हि सदोदितोऽहं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३॥

رُباعی

(۳) بے اصل و فرع خود نمایاں ہوں میں (روشن بالذات)
بے آتش و دود خود فروزاں ہوں میں
نُور و سایہ کا تفرقہ مجھ میں نہیں
مانندِ خلا وسعتِ عرفاں ہوں میں

اصل سے فرع کی۔ آتش سے دُود کی اور نُور سے سایہ کی ملزومیت ہے مگر ذاتِ لاثانی میں اسکا دخل نہیں ہے کہ وہ خلا کی طرح یکساں اور محیط ہوکر خود بخود روشن ہے۔

निष्काम काममिह नाम कथं वदामि
नि:संगसंगमिह नाम कथं वदामि ।
नि:सार सार रहितं च कथं वदामि
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥४॥

(۴) کیا حال کہوں میں شوق و بے شوقی کا (عُریاں)
کیا ذکر کروں میں لوث و بے لوثی کا
بنتا نہیں جس کا حق و باطل کہنا
وہ ذاتِ بلاصفت ہوں مانندِ خلا

فطرتِ انساں کی تین شکلیں ہیں۔ احساس۔ جذبہ اور دلیل۔ ان میں سے احساس کا خاصہ دُنیائے بیرونی سے تعلقات پیدا کرنا ہے اور اِن تعلقات کا

جو اثر دل پر پڑتا ہے اُسے جذبہ کہتے ہیں۔ اِن دونوں مظاہروں کو صحیح یا غلط قرار دینا دلیل ہے اور یہ عقل کا جوہر ہے۔ مگر رُوحِ انسان کو اِس طبیعی ثلاثہ سے سروکار نہیں ہے یعنی وہ خلا کی مانند پاک وصاف رہتی ہے۔

अद्वैतरूपमखिलं हि कथं वदामि
द्वैतस्वरूपमखिलं हि कथं वदामि ।
नित्यं त्वनित्यमखिलं हि कथं वदामि
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम ॥५॥

(۵) رازِ وحدانیت بتاؤں کیسے (مُستغنی)
احوالِ دوئی زباں پہ لاؤں کیسے
کیا ہستی و نیستی پہ تقریر کروں
میں مُستغنی ہوں آسماں ہے جیسے

اِدھر تو حالتِ بیداری میں جلوۂ کثرت کا دکھائی دینا توحید کے دعوےٰ کو باطل ثابت کرتا ہے۔ اُدھر خوابِ غفلت میں کسی جلوہ کا پیشِ نظر نہ ہونا دوئی کا مانع ہے۔ علیٰ ہذا تغیّرات کی موجودگی میں عالم کو جاودانی نہیں مان سکتے اور حواس کی گواہی ملنے پر اُسے معدوم نہیں کہہ سکتے۔ غرضکہ عقلِ انسان اس طلسمِ ہستی کو توڑنے کے ناقابل ہے۔ تاہم علمِ ذات کی روشنی میں اصلِ حقیقت نظر آتی ہے یعنی ذاتِ پاک کا مُستغنی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

स्थूलं हि नो नहि कृशं न गतागतं हि
आद्यन्तमध्यरहितं न परापरं हि ।
सत्यं वदामि खलु वै परमार्थतत्त्वं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥६॥

(۶) آنا ہے نہ جانا ہے نہ بڑھنا گھٹنا (محیط)
بُعد و قُربت نہ بود و ابجا و فنا
بے بیم و رجا یہ امرِ حق کہتا ہوں
میرا جلوہ محیط ہے مثلِ خلا

مادّی اشیاء کی خاصیتوں میں قیام و حرکت، لاغری و فربہی اور نزدیکی و دُوری شامل ہیں۔ ان کا آغاز، وسطا اور خاتمہ بھی ہوتا ہے۔ ذاتِ حق بوجہ غیر مادّی ہونے کے ان تعیّنات کی پابند نہیں یعنی وہ خلا کی طرح مکانی اور زمانی قیود سے بری ہے۔

संविद्धि सर्वकरणानि नभोनिमानि
संविद्धि सर्वविषयांश्च नभोनिभांश्च ।
संविद्धि चैकममलं न हि बन्धमुक्तं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥७॥

(۷) لذّات و حواس کی روانی دیکھو (برتر)
دونوں کو مثالِ ابر فانی دیکھو
اعمال و قیود و مخلصی سے برتر

میری رفعت کو آسمانی دیکھو

عالم فضا سے بادل گزرتا ہے اور ٹکڑے ہو ہو کر معدوم ہو جاتا ہے۔ یعنی لمحہ بھر بھی ایک صورت میں نہیں رہتا ایسے ہی حس ومحسوس کا تعلق ہر دم پیدا اور فنا ہوتا ہے اور اس کے اثرات ساتھ ساتھ بدلتے ہیں۔ اعمال اور اُن کے نتائج کی بھی یہی حالت ہے۔ ذات کی برتری سمجھانے کے واسطے خلے کی مثال نہایت موزوں ہے کیونکہ یہ ہمیشہ بے تعلق رہکر کسی قسم کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

दुर्बोधबोधगहनो न भवामि तात
दुर्लच्यलच्यगहनो न भवामि तात ।
आसन्नरूपगहनो न भवामि तात
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥८॥

(۸) جہل و دانش کا میں روا دار نہیں (واحد)
ستر و جلوے کے مجھ میں آثار نہیں
نزدیکی و دوری سے مجھے کیا مطلب
میں مثلِ خلا ایک ہوں بسیار نہیں

عقل کے خواص جہل اور دانش ہیں۔ دل کی صفت حاضر وغائب میں فرق دریافت کرنا ہے۔ حواس کا فعل خورد وکلاں کا اندازہ لگاتا ہے۔ ان تینوں کی تحقیقات سے رُوح بشر بالا اور لطیف تر ہے کیونکہ اس میں اوصافِ متضاد کا دخل نہیں ہے۔

निष्कर्मकर्मदहनो ज्वलनो भवामि
निर्दुःखदुःखदहनो ज्वलनो भवामि ।
निर्देहदेहदहनो ज्वलनो भवामि
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥९॥

(۹) غارت گرِ رختِ کذبِ ایماں ہوں میں (ازلی)
رنج و راحت کی شکلِ فقداں ہوں میں
تمیزِ جسم و جاں مٹانے والا
ہمرنگِ خلا شعلۂ عرفاں ہوں میں

پابندئ افعال کذب کی تعریف ہے اور افعال سے بریت صداقت کی معیار ہے۔ایک کا ثمرہ بیم و امید کی کشاکش ہے اور دوسرے کا نتیجہ سکونِ دل ہے۔اسی طور پر جسم میں کثافت اور جان میں لطافت موجود ہے جو ایک دوسرے کے مخالف ہے۔مگر ان اختلافات کا مٹانے والا وہ شعلہ ہے جسے عرفانِ ذات کہتے ہیں۔

निष्पापपापदहनो हि हुताशनोऽहं
निर्धर्मधर्मदहनो हि हुताशनोऽहम् ।
निर्बन्धबन्धदहनो हि हुताशनोऽहं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥१०॥

(۱۰) برہم زنِ التزامِ نیکی و بدی (ابدی)
برباد کنندۂ غمِ امر و نہی
مصروفِ فنائے کاوشِ بند و نجات

میں مثلِ خلا ہوں آتشِ لم یزلی

آتشِ عشق میں عذاب و ثواب سوخت ہوجاتے ہیں اور بیم و اُمید کا خاکستر بن جاتا ہے۔ بند و مخلصی بھی معدوم نظر آتے ہیں۔ غرضیکہ علمِ عرفان انسان کو علّتِ ثلاثہ سے رہائی دلاتا ہے۔

निर्भावभावरहितो न भवामि वत्स
निर्योगयोगरहितो न भवामि वत्स ।
निश्चित्तचित्त रहितो न भवामि वत्स
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥११॥

(۱۱) بے لوث ہوں کُفر و دیں کی ذہنیت سے (علیم)
وصل و ہجراں کی راحت و کُلفت سے
کیا دخل ہو مجھ میں علم و لاعلمی کا
ہیں مثلِ خلا پاک ہوں ہر صُورت سے

واجب الوجود کی ہستی سے انکار کرنا کُفر ہے۔ اُس کی ہستی کا اقرار دین کہلاتا ہے۔ حجابِ خودی کا دُور ہوجانا وصالِ ذات ہے۔ اس کی موجودگی کا نام ہجر ہے۔ حق و باطل کا امتیاز علم کی تعریف ہے۔ جو اس کے برعکس ہے اُسے لاعلمی کہتے ہیں۔ یہ کیفیات مُتضاد اور خارجی ہیں۔ اس لئے طالبِ ذات کو واجب ہے کہ وہ اپنی نگاہ اِن سے ہٹا کر کیفِ روحانی کا جویا ہو۔

निर्मोहमोहपदवीति न मे विकल्पो
निःशोकशोकपदवीति न मे विकल्पः ।

निर्लोभलोभपद्वीति न मे विकल्पो
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥१२॥

(۱۲) ہیں غفلت و ہوش میری منزل سے دُور (ناظر)
شادی و غمی مسافرت میں معذور
کیا حرص و قناعت کو ملے میرا نشاں
میں مثلِ خلا نہیں کسی کا منظور

دل کے مظاہرے جذبات ہیں جن سے رُوح بشر کا تعلق نہیں۔ ایسی صُورت میں روحانیت کی تحصیل ترکِ جذبات پر موقوف ہے۔

संसारसन्ततिलता न च मे कदाचित्
सन्तोषसन्ततिसुखं न च मे कदाचित् ।
अज्ञानबन्धनमिदं न च मे कदाचित्
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥१३॥

(۱۳) بیگانہ ہوں اضطرابِ خودداری سے (فارغ)
بے واسطہ تسکینِ رضا کاری سے
مُجھ پر چلتا نہیں فریبِ ہستی
میں رشکِ خلا ہوں فرطِ بیزاری سے

دیندار کو بیم و اُمید کی وجہ سے پریشانی رہتی ہے۔ شاغل اپنے دل کو قابو میں لاکر کچھ دیر کے لئے قرار حاصل کرتا ہے۔ عارف حق و باطل کے امتیاز سے علمِ ذات کا خاص لُطف اُٹھاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی واصلِ ذات کا ہمپایہ

نہیں ہے کہ اُس کا کیفِ بیخودی یکساں رہتا ہے۔

संसारसन्ततिरजो न च मे विकारः
सन्तापसन्ततितमो न च मे विकारः ।
सत्त्वं स्वधर्मजनकं न च मे विकारो
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम्॥१४॥

(۱۴) مشتاق نگاہوں میں نہیں میرا ظہور (نُوری)
دل کی تاریکیاں نہیں میرا قصُور
قلبِ صافی میں جلوہ ریزی سے بری
میں مثلِ خلا ہوں ہستیِ نا محصُور

صفاتِ سہ گانہ بود و ایجاد و فنا ہو کر عالم میں کار پرداز ہیں اور انسان کی سرشت میں ہوشمندی، اشتیاق اور جہالت بن کر داخل ہیں مگر ذاتِ واحد ناظر ہونے کے باعث ان سے بالاتر ہے اس لئے صفاتی طلسم کی شکستگی پر اُس کا دیدار منحصر ہے۔

सन्तापदुःखजनको न विधिः कदाचित्
सन्तापयोगजनितं न मनः कदाचित् ।
यस्मादहङ्कृतिरियं न च मे कदाचि
ज्ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम्॥१५

(۱۵) مجھکو نہیں کلفتِ صدورِ اعمال (کیفی)
آمادۂ آزار نہیں میرا خیال

میں عینِ بیخودی ہوں مانندِ خلا
مجھ میں ہے قیام زعمِ ہستی کا محال

ادائے فرض کا مشغلہ بیم وامید کا اضطراب. اور فاعلیت کا گمان
ان تینوں آلائشوں سے عارف کا دل پاک وصاف رہتا ہے۔

निष्कम्पकम्पनिधनं न विकल्पकल्पं
स्वप्नप्रबोधनिधनं न हिताहितं हि ।
निःसारसारनिधनं न चराचरं हि
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥ १६ ॥

(۱۶) بے وہم وگماں حریفِ ہجر ووصلت (لاشریک)
بے سود وزیاں عدوئے ہوش وغفلت
بے بُود و نبُود ۔ بے سکون وحرکت
میں مثلِ خلا ہوں۔ رازدارِ وحدت

وہ ذات خلا کی طرح یکساں ہے۔ اُس میں نہ تو بیتابیِ ہجر ہے اور نہ قرارِ وصال۔ اس کے لئے نہ ہوش فائدہ مند ہے اور نہ بیہوشی نقصان دہ۔ اُسے نہ اصل کہہ سکتے ہیں اور نہ فرع۔ سکون وحرکت کے مظاہر سے بھی وہاں معدوم ہیں۔ یہ شانِ یکتائی کی تفسیر ہے۔

नो वेद्यवेदकमिदं न च हेतुतर्क्यं
वाचामगोचरमिदं न मनो न बुद्धिः ।
एवं कथं हि भवतः कथयामि तत्त्वं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥ १७

(۱۷) شاہد ہوں نہ مشہود نہ طومارِ دلیل (دیگانہ)
عقل و دل و گفتار نہیں مجھ میں دخیل
کیونکر تم سے بیاں کروں اپنا حال
میں مثلِ خلا نہیں ثلاثہ کا کفیل

عقل کا کام دلائل پیش کرنا ہے۔ دل جذبات سے خالی نہیں رہتا۔ گویائی میں حرف وصوت کا اشتراک موجود ہے۔ غرضکہ تینوں قوائے باطنی وصالِ ذات کے واسطے کارآمد ثابت نہیں ہوتے۔

निर्भिन्नभिन्नरहितं परमार्थतत्त्व-
मन्तर्बहिर्न हि कथं परमार्थतत्त्वम् ।
प्राक्संभवं न च रतं न हि वस्तु किञ्चि-
ज्ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥ १

(۱۸) میری وسعت میں ہیں جزو کُل مفقود (بے حد)
مجھ سے نہیں ظاہر اور باطن کا وجود
ایجاد و فنا کے مخمصوں سے فارغ
میں مثلِ خلا ہوں ہستیٔ لامحدود

چشمِ بینا کو خوردی اور کلانی نظر آتی ہیں۔ دل سے حاضر و غائب کا پتہ لگتا ہے۔ عقل ایک زمانے کو ماضی حال اور مستقبل پر منقسم دکھاتی ہے۔ یہ تین طرح کی حدبندیاں ہیں مگر جان مساوی رہکر لامحدود ہے۔

रागादिदोषरहितं त्वहमेव तत्त्वं
दैवादिदोषरहितं त्वहमेव तत्त्वम्।
संसारशोकरहितं त्वहमेव तत्त्वं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम्॥१६

(۱۹) ہنگامۂ دل کا میں نہیں ہوں خوگر (بیزوال)
آفاتِ سماوی کا نہیں مجھ پہ اثر
خطرہ نہیں حادثاتِ ارضی کا مجھے
مانندِ خلا ہوں اِن سے میں بالاتر

واردات قلب کی تین قسمیں ہیں۔ ارضی، سماوی، اور باطنی، ارضی حادثہ کرۂ زمین سے پیدا ہوتا ہے جس کی مثال بھونچال، غرقابی، آتشزدگی اور طوفانِ باد ہیں۔ سماوی آفت آسمان سے نازل ہوتی ہے جیسے بجلی کا گرنا گرمی و سردی کی شدّت، ژالہ باری وغیرہ۔ باطنی مصیبت وہ ہے جس میں انسان اپنے فعلوں سے آپ کو ایذا پہنچاتا ہے۔ مثلاً عیّاشی۔ بےخوابی۔ نشہ بازی وغیرہ۔ واضح ہو کہ رُوحِ پاک درحقیقت ان مصائب میں گرفتار نہیں ہوتی۔

स्थानत्रयं यदि च नेति कथं तुरीयं
कालत्रयं यदि च नेति कथं दिशश्च।
शान्तं पदं हि परमं परमार्थतत्त्वं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम्॥२०

(۲۰) بیداری و خواب ہوش و غفلت میں نہاں (بےلوث)

بیروں از شش جہات و تثلیثِ زماں
ہیں نفس و آفاق سے پیوست نہیں
مانندِ خلا ہوں منزلِ امن و اماں

رُوح بشر پر بیداری، خواب اور غفلت کی حالتیں یکے با دیگرے طاری ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک چوتھی حالت بھی ہے جس کا احساس خاص شخص کو خاص وقت پر ہوتا ہے، اُس کی صفت نیم بیداری اور نیم خوابی ہے جو یہاں لفظِ ہوش سے تعبیر کی گئی ہے۔ اس مجموعہ کا نام انفس ہے، اب آفاق کی تفسیر ملاحظہ کیجئے کہ اس میں مکان و زماں شامل ہیں۔ ظرفِ مکانی سے شش جہات مُراد ہیں۔ اور ظرفِ زمانی کی تفصیل ماضی، حال، اور مستقبل ہے۔ رُوحانیت کی منزل میں مذکورۂ بالا ہنگامہ آرائی نہیں ہے، اس لئے اُس کو راحت نشان کہتے ہیں۔

दीर्घो लघुः पुनरितीह न मे विभागो
विस्तारसंकटमितीह न मे विभागः ।
कोणं हि वर्तुलमितीह न मे विभागो
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥ २१

(۲۱) قامت میں نہیں ہوں میں دراز و کوتہ (بے قیاس)
تعریفِ جسامت میں نحیف و فربہ
گول اور تکونی نہیں میری صُورت
میں کچھ ہوں خلا کی طرح بے اندازہ

رُوح انسان پر طول، عرض اور حجم کی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں کہ وہ غیر مادّی اور لاتعیّن ہے، اگر کسی شے سے اسکی مثال دی جاسکتی ہے تو وہ خلا ہے۔

मातापितादि तनयादि न मे कदाचि-
ज्जातं मृतं न च मनो न च मे कदाचित्।
निर्व्याकुलं स्थिरमिदं परमार्थतत्त्वं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥२२॥

(۲۲) مادر پدر و پسر سبھی میرے نہیں (مخفی)
پیدائش و مرگ و زندگی میرے نہیں
میں قائم و دائم ہوں خلا کی مانند
دُنیا میں مظاہرے کبھی میرے نہیں

رُوحِ بشر نسلی خصوصیت اور خاندانی رشتہ داری سے علاقہ نہیں رکھتی، اور پیدائش و فنا کے دائرے میں نہیں آتی، اُسے زندہ اور مُردہ کہنا بھی نہیں بنتا۔ غرضکہ اُس کی ہستی جسمانی قیود سے بری ہے۔

शुद्धं विशुद्धमविचारमनन्तरूपं
निर्लेपलेपमविचारमनन्तरूपम् ।
निष्खण्डखण्डमविचारमनन्तरूपं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम्॥२३

(۲۳) میں ہر جائی ہوں پاک و ناپاک نہیں (جامی)
پابندِ کدورت و صفا خاک نہیں

عائد نہیں مجھ پہ تہمتِ نقص و کمال
میں مطلعِ انوار ہوں خاشاک نہیں

ذاتِ واحد بے شمار شکلوں میں عیاں ہے۔ اِس لئے کثرت کی تفہیم غلط ہے۔

ब्रह्मादयः सुरगणाः कथमत्र सन्ति
स्वर्गादयो वसतयः कथमत्र सन्ति ।
यद्येकरूपममलं परमार्थतत्त्वं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम्॥२४

(۲۴) مجھ میں ہے کہاں خیلِ ملائک کا قیام (مقدس)
آبادیٔ فردوس کا دلکش آرام
یکتائی و تقدیس ہیں میرے جوہر
میں مثلِ خلا ہوں پاک بے لوث مدام

ملائک اور فردوس کے نظارے کثیر اور دلفریب ہیں، لیکن وہ صفاتی ہونے کے باعث بے ثبات مانے جاتے ہیں، اِس لئے ذاتِ پاک سے اُن کی کوئی نسبت نہیں وہ ادنیٰ ہیں اور یہ اعلیٰ ہے۔ خلا کی بے لوث ہستی اس امر کی شاہد ہے۔

निर्नेतिनेतिविमलो हि कथं वदामि
निःशेषशेषविमलो हि कथं वदामि ।
निर्लिंगलिंगविमलो हि कथं वदामि
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥२५

(۲۵) کب باطل و حق بنا ہیں نادانی سے (مساوی)

کیا واسطہ میرا باقی و فانی سے

معدوم ہیں مجھ میں بے نشانی و نشاں

یکساں ہوں خلا کی طرح عُریانی سے

حق و باطل، باقی و فانی اور پیدا و نہاں ایک دوسرے کے متضاد ہیں چنانچہ وہاں تک عقل کی رسائی ہے، ذاتِ اقدس میں ایسا تضاد موجود نہیں، اس لئے عقل اُس کے ادراک سے قاصر ہے۔ وہ خلا کی طرح ہمیشہ بے لوث اور یکساں ہی،

निष्कर्मकर्मपरमं सततं करोमि
निःसंगसंगरहितं परमं विनोदम् ।
निर्देहदेहरहितं सततं विनोदं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥२६

(۲۶) ناکردہ صفت ہے کارسازی میری (قدیم)

بے لوثِ غرض ہے دلفریبی میری

مجھ میں نہیں آمد و شدِ جسم و جاں

ہے مثلِ خلا قدیم ہستی میری

پیکر انسان میں حواس اپنا اپنا فعل کرتے ہیں لیکن رُوح کی پابندی کا سبب نہیں ہوتے۔ جذبات پیدا ہو کر دل کو رنج و راحت پہنچاتے ہیں، مگر ان کا اثر اُس پر نہیں ہوتا۔ پیدائش و فنا میں آرام و تکلیف موجود ہیں، پھر بھی وہ ان سے تعلق نہیں رکھتی۔ المختصر قانونِ فطرت کے تابع نہیں ہے۔ یعنی ایک

حال پر قایم ہے۔

मायाप्रपञ्चरचना न च मे विकारो
कौटिल्यदम्भरचना न च मे विकारः ।
सत्यानृतेति रचना न च मे विकारो
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥२७

(۲۷) پیدائشِ دُنیائے دنی مجھ سے نہیں (ساکن)
عیّاری و پندارِ خودی مجھ سے نہیں
بیزار دروغ و راست سے مثلِ خلا
لاجنب ہوں میں روا روی مجھ سے نہیں

ارادتِ ازلی سے عالمِ وجود میں آیا۔ بنی آدم کی سرشت میں فریب و تکبّر داخل ہوئے اور نیکی اور بدی کے درمیان فرق نمایاں ہوا۔ مگر رُوحِ اعظم اس تحریک میں کبھی شامل نہ ہوئی۔

सन्ध्यादिकालरहितं न च मे वियोगो
ह्यन्तःप्रबोधरहितं बधिरो न मूकः।
एवं विकल्परहितं न च भावशुद्धं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥२८

(۲۸) بیگانہ ہیں مجھ سے روز و شب، شام و سحر (دایم)
بہرہ ہوں، نہ گونگا، نہ حماقت پرور
بے کشفِ بطون و بے کراماتِ ظہور

غیرت وہ آسمان ہے میرا منظر

جان کا منظر صبح، دوپہر، شام اور رات کی طرح نہیں بدلتا بلکہ ہر وقت یکساں ہے۔ وہ قوّت سامعہ سے علاقہ نہیں رکھتی مگر شنوا ہے۔ کلام کرتی ہے۔ لیکن اس زبان سے نہیں جو گوشت کا ٹکڑا ہے۔ آلہ دل سے کام لئے بغیر احساس رکھتی ہے، اور گمان و یقین کے حیطہ سے باہر رہکر علیم ہے۔

निर्नाथनाथरहितं हि निराकुलं वै
निश्चित्तचित्तविगतं हि निराकुलं वै ।
संविद्धि सर्वविगतं हि निराकुलं वै
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥२६

(۲۹) محرومی و خدمت سے گرانبار نہیں (آزاد)
بیفکری و فکر کا سزاوار نہیں
بیوجہ رضا کار ہوں مانند خلا
ہیں برسر کار اور بیکار نہیں

آقا اپنے ملازم کو حکم دیتا ہے اور اس کی تعمیل چاہتا ہے۔ ملازم تعمیل حکم سے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے میں سعی کرتا ہے۔ اس طور پر آقا بے فکر اور ملازم فکرمند رہتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ حالتیں ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ مگر رضا کار وہ شخص ہے جو ایسی ذہنیت سے پاک رہکر عمل پیرا ہے۔

कान्तारमन्दिरमिदं हि कथं वदामि
संसिद्धसंशयमिदं हि कथं वदामि ।

एवं निरन्तरसमं हि निराकुलं वै
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३०

(۳۰) ویرانہ و شہر ایک ہیں میرے لئے (بے تعلق)
تشویش و طمانیت برابر ہیں مجھے
حاصل ہے ہر اک جگہ مساواتِ نظر
ہیں مثلِ خلا ہوں بے تعلق سب سے

عارف کو آبادی اور ویرانہ میں فرق نظر نہیں آتا، اُس کے لئے نہ وہاں طمینان کی صورت ہے، اور نہ یہاں اندیشہ کا امکان۔ وہ اپنی ہستی کو اِس دورنگی سے بے تعلق جانتا ہے۔

निर्जीवजीवरहितं सततं विभाति
निर्बीजबीजरहितं सततं विभाति ।
निर्वाणबन्धरहितं सततं विभाति
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३१

(۳۱) جو مادّہ و رُوح کا پابند نہیں (بے خواہش)
تخم اور شجر سے جس کا پیوند نہیں
پیدا نہیں جس میں صُورتِ قید و مفر
وہ اصلِ خلا ہوں میں کہیں بند نہیں

مادّہ اور روح کی تقسیم، غیب و شہود کے تقابُل اور بند و مخلصی کے امتیاز میں صفات کی دورنگی ہے جس سے ذاتِ پاک کو سروکار نہیں۔ وہ خلا

کی طرح یک رنگ رہ کر مذکورہ بالا ثلاثہ کی مانع ہے۔ یہاں مادّے کا اشارہ جمادات پر ہے جن میں بالیدگی کی طاقت نہیں ہے اور جنہیں اس اعتبار سے غیر ذی روح کہتے ہیں۔ تخم سے شجر پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے تخم علّت اور شجر معلول ہے۔ یہ طبقۂ نباتات ہے اور اس کا خاصّہ بالیدگی ہے۔ لیکن اسے بھی جمادات کی طرح نقل و حرکت کرنے کا مجال نہیں ہے ان دونو طبقات سے برتر حیوانات ہیں جن میں انسان کو بوجہ عقل و دانش کے خاص شرف حاصل ہے۔ چنانچہ وہ خود شناسی کا طالب ہوتا ہے۔ اور ان تعیّنات کو باطل ثابت کرکے مغفرت پاتا ہے۔

संभूतिवर्जितमिदं सततं विभाति
संसारवर्जितमिदं सततं विभाति ।
संहारवर्जितमिदं सततं विभाति
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३२

(۳۲) وہ نور ہے منظرِ لطافت سے جُدا (الطف)
عالم کے حیطۂ کثافت سے جُدا
بیواسطۂ فنا و وحدت آگیں
مانندِ خلا جلوۂ کثرت سے جُدا

ارادتِ ازلی کی پوشیدہ تحریک سے عالمِ کثیف نمایاں ہوکر مشیتِ ایزدی کے پردے میں غائب ہوجاتا ہے۔ اس طور پر ایجاد و بود اور فنا کا سلسلہ جاری رہتا ہے یہ مادّی تقلبات ہے مگر اس سے نورِ ذات کا واسطہ نہیں۔

उल्लेखमात्रमपि ते न च नामरूपं
निर्भिन्नभिन्नमपि ते न हि वस्तु किंचित्।
निर्लज्जमानस करोषि कथं विषादं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३३॥

(۳۳) تجھ میں نہیں نقشبندیٔ نام ونشاں (دیکرنگ)
تقسیم جزو کل بھی نہیں تجھ سے عیاں
ناحق اے دل تو مبتلائے غم ہے
مانندِ خلا ہے تیری ہستی یکساں

مجذوب کامل اپنے دل سے یوں خطاب کرتے ہیں: "تیرا واسطہ نام ونشان اور ہستی وعدم سے نہیں ہے اس لئے تجھے ہمیشہ مطمئن رہنا چاہیئے نام ونشان کے مٹنے اور وجود کے معدوم ہونے پر رنج والم کے کچھ معنی ہو سکتے ہیں مگر تجھے ان علائق سے بریّت حاصل ہے۔ اس لئے تیری فکر مندی غیر ضروری ہے"

किं नाम रोदिषि सखे न जरा न मृत्युः
किं नाम रोदिषि सखे न च जन्मदुःखम्।
किं नाम रोदिषि सखे न च ते विकारो
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३४॥

(۳۴) کیوں پیری و مرگ دیکھ کر روتا ہے (لاتغیّر)
کیوں مایوسی میں زندگی کھوتا ہے
اے مشفقِ من یہ سوگ ہے بے معنی

ہستی خلا میں دور کب ہوتا ہے

انسان اپنی ہستی کو بڑھاپے اور موت کے زیرِ فرمان کر یاس و حرماں کا شکار بنتا ہے۔ دراصل اُس کی ہستی بے زوال اور قدیم ہے۔ اے دل تو اِس حقیقت سے آگاہ ہو کر سکون حاصل کر۔ خلا کا استحکام تیرے لئے سبق آموز ہے۔

किं नाम रोदिषि सखे न च ते स्वरूपं
किं नाम रोदिषि सखे न च ते विरूपम् ।
किं नाम रोदिषि सखे न च ते वयांसि
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३५॥

(۳۵) اچھی صُورت میں تیرا دیدار نہیں (بے عیب)
بھدّی صُورت کا تو گنہگار نہیں
طفلی و جوانی و ضعیفی ہیں غیر
مانندِ خلا کوئی ترا یار نہیں

بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی حالتوں میں نیز خوبصورتی اور بدصورتی کے نظاروں میں جان کی شراکت نہیں ہے یعنی وہ اِن صفاتی جلووں سے بالاتر ہے۔ خلا بھی اُن مظاہروں سے جو اُس میں پیدا اور فنا ہوتے ہیں بے لوث رہتا ہے۔

किं नाम रोदिषि सखे न च ते वयांसि
किं ना रोदिषि सखे नच ते मनांसि ।
किं नाम रोदिषि सखे न तवेन्द्रियाणि
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३६॥

(۳۶) رونا کس بات کا ہے تو جسم نہیں (دہترا)

دِل کے جذبات کی کوئی قسم نہیں

ادراک سے بھی فزوں ہوا ای رُوحِ رواں

تو مثلِ خلا نہیں ہے پابند کہیں

جملہ اشیاء کی ایجاد۔ بود اور فنا سے خلے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسی طرح اجسام۔ حواس اور دل کی قیود سے جان پاک کو آزادی حاصل ہے۔ ایسی آزادی کے ہوتے ہوئے کسی کو پابندی کی شکایت کرنا واجب نہیں ہے۔

किं नाम रोदिषि सखे न च तेऽस्ति कामः

किं नाम रोदिषि सखे न च ते प्रलोभः।

किं नाम रोदिषि सखे न च ते विमोहो

ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३७॥

(۳۷) مغموم نہ ہو کہ تو بلا خواہش ہے (رباعی)

اور تجھ میں فنا جمع کی آمیزش ہے

غفلت بھی نہیں شریک تیری اے دوست

مانندِ خلا تو برتر از کاہش ہے

تشتیت۔ جمع۔ اور جہالت۔ دل کی تین صفتیں ہیں۔ مگر ان سے جان کا سروکار نہیں ہے۔ خلے میں سکون ہی سکون موجود ہے۔ ایسے ہی جان میں اطمینان ہی اطمینان ہے۔ اس راز کے جاننے سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔

ऐश्वर्यमिच्छसि कथं न च ते धनानि
ऐश्वर्यमिच्छसि कथं न च ते हि पत्नी ।
ऐश्वर्यमिच्छसि कथं न च ते ममेति
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३८॥

(۳۸) کیوں طالبِ زر ہے کہ نہیں اِس کو ثبات (رغیر فانی)
کیوں طالبِ زن ہو کہ مقرر ہے وفات
کیوں ما و منی کے دام میں پھنستا ہے
مانندِ خلا مُدام ہے تیری حیات

دُنیا میں تین بڑے قضیہ زر زن اور زمین ہیں۔ زر کے قیام کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ زن کی صُحبت کا خاتمہ کسی وقت لازمی ہے۔ زمین کے قبضہ کو بھی مداومت حاصل نہیں۔ غرضکہ یہ تینوں تعلقات فنا پذیر ہیں۔ ایسی حالت میں زندگی جاوید پہ یقین لانا ضروری ہو جاتا ہے۔ خلے میں اِس کی مثال ملتی ہے۔

लिङ्गप्रपञ्चजनुषी न च ते न मे च
निर्लज्जमानसमिदं च विभाति भिन्नम् ।
निर्भेदभेदरहितं न च ते न मे च
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥३६

(۳۹) تُجھ میں ہیں نہ مُجھ میں یہ نقوشِ ہستی (یکساں)
آئینۂ دل میں شکل ہے کثرت کی
تیرا میرا نہیں جُزو کُل میں قیام

پہنائی ہے مانندِ خلا وحدت کی

جُزویت و کُلیّت اور ظہور و بطُون ایک مُضطرب دل کا عکس ہیں۔ طالبِ نجات کا فرض ہے کہ وہ اِنہیں نظر انداز کر کے مطمئن رہے۔ خلے کی ہستی یہ سبق دیتی ہے۔

नो वाणुमात्रमपि ते हि विराग रूपं
नो वाणुमात्रमपि ते हि सरागरूपम् ।
नो वाणुमात्रमपि ते हि सकामरूपं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥४०॥

(۴۰) ہمرنگِ وصال ہے جُدائی تیری (بے تمنّا)

ہمپایۂ ستر۔ جلوہ نمائی تیری

خواہش کا ایک شمّہ بھی تجھ میں نہیں

مانندِ خلا ہے خودنمائی تیری

ہجر و وصال، ستر و جلوہ اور لطافت و کثافت کا فرق مٹنے پر توحید کا راز کھلتا ہے یعنی ذاتِ واحد کا مُحیطِ کُل ہونا تصدیق ہوتا ہے۔ ایسے منظر پر نگاہِ امتیاز ڈالنا درست نہیں ہے۔ اس کی بہترین مثال خلے میں موجود ہے۔

ध्याता न ते हि हृदये न च ते समाधि
ध्यानं न ते हि हृदये न बहिः प्रदेशः ।
ध्येयं न चेति हृदये न हि वस्तु कालो
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥४१

(۴۱) تو ہوش میں ہے نہ مستِ جامِ عرفاں (حیرت انگیز)
مصروف بہ سیرِ دل نہ بیروں نگراں
تثلیثِ زمانی و مکانی سے جُدا
مانندِ خلا عجیب ہے تیری شاں

ہوش و محویت۔ اضطراب و سکون اور وجود و عدم کا پتہ شانِ وحدت میں نہیں چلتا کیونکہ وہاں دوئی اور ثلاثہ کی گنجائش نہیں ہے۔ خلا اس امر کی گواہی دیتا ہے۔

यत्सारभूतमखिलं कथितं माया ते
न त्वं न मे न महतो न गुरूर्न शिष्यः।
स्वच्छन्दरूपसहजं परमार्थतत्वं
ज्ञानामृतं समरसं गगनोपमोऽहम् ॥४२

(۴۲) میں نے تجھے تبلائے جو اسرارِ خفی (وحدت نشان)
ان میں من و تو ہے نہ مُریدی پیری
قائم بالذات و لاشریک و برتر
ہے مثلِ خلا مُحیط واحد ہستی

اودہوت دتاتریہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں رموزِ معرفت کی جو توضیح کی گئی ہے اس کے سمجھنے کو عقلِ سلیم درکار ہے اور یہ ترک خودی سے میسّر ہوتی ہے اور اُس کا دوسرا نام فنائے عشق ہے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں پہنچکر پیری اور مُریدی کا امتیاز غائب ہوجاتا ہے اور تعلیم کا سلسلہ باقی نہیں رہتا۔

कथमिह परमार्थं तत्वमानन्दरूपं
कथमिह परमार्थं नैवमानन्दरूपम् ।
कथमिह परमार्थं ज्ञानविज्ञानरूपं
यदि परमहमेकं वर्तते व्योमरूपम्॥ ४३

(۴۳) کیا مجھ سے مُلاقی ہو سُرورِ رنگیں (لاثانی)
مجھ پر اثر انداز خمارِ کم ہیں
بیہوشی و ہوش سے مُعرّا ہوں میں
مانندِ خلا صفائے باطن کا امیں

مجذوبِ کامل دورنگی کی صُورت سے بیزار ہیں اس لئے علم وجہل اور رنج وراحت کے اختلاف پر نظر نہیں کرتے۔ اُن کی قیام گاہ یک رنگی ہے اور اُن کا مشغلہ کیفِ مستی۔

दहनपवनहीनं विद्धि विज्ञानमेक-
मवनिजलविहीनं विद्धि विज्ञानरूपम् ।
समगमनविहीनं विद्धि विज्ञानमेकं
गगनमिव विशालं विद्धि विज्ञानमेकम्॥४४

(۴۴) عرفاں میں نہیں عناصر آتش و باد (غیرمادی)
آب و گِل پر نہیں ہے اس کی بُنیاد
بے واسطۂ قیام و دورِ پیہم
مانندِ خلا ہے یہ وسیع و آزاد

عُنصروں کی ترکیب سے مادّی اشیا پیدا ہوتی ہیں اور اُنہیں کی انفرادی طاقت سے فنا ہو جاتی ہیں۔ عرفانِ ذات غیر مادّی ہے اس لئے پیدائش و فنا سے مُبرّا ہے۔ مادّے میں حرکت و قیام نظر آتے ہیں مگر وہ اِن سے بھی مُنزّہ ہے خلے کی تشبیہ اُس کے لئے نہایت موزوں ہے۔

न शून्यरूपं न विशून्यरूपं
न शुद्धरूपं न विशुद्धरूपम् ।
रूपं विरूपं न भवामि किञ्चित्
स्वरूपरूपं परमार्थतत्वम् ॥ ४५

(۴۵) بیگانہ ہیں مجھ سے جملہ اشیا ر و خلا (قائم بالذات)
میرے نہیں کوئی رشتہ ہیں کُدر و صفا
مُجھ میں نہیں کارسازیٔ بود و نبود
ہیں ذاتِ قدیم ہوں تصنُّع سے جُدا

خالی و پُر۔ تیرہ و صاف اور ہست و نیست ہونا ذاتِ پاک کی صفات نہیں ہیں کہ وہ ان تعیّنات سے باہر ہے۔ اُس کا جوہر بے نامی اور بے نشانی ہیں۔

मुञ्च मुञ्च हि संसारं त्यागं मुञ्च हि सर्वथा ।
त्यागात्यागविषं शुद्धममृतं सहजं ध्रुवम् ॥ ४६

بحرِ دیگر

(۴۶) زُعمِ ہستی ترک کر۔ پھر ترک کا بھی ترک کر (رازِ معرفت)
پاک رہتی ہے دورنگی سے مُوحّد کی نظر

دو جہان کی نعمتوں کو فانی جانکر اُن سے دل ہٹا لینا فنا کی طریقت ہے۔ اور اِس دل برداشتگی کو وصالِ ذات کی طلب میں تبدیل کرنا جادۂ عشق کہلاتا ہے۔ پہلے رستے کو ترک اور دوسرے کو ترکِ ترک نامزد کرتے ہیں۔ وہ منفی اور یہ مُثبت طریقہ مانا جاتا ہے دیگر لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ مجذوب تمام نقوشِ ہستی کو صفحۂ دل سے مٹا دیتا ہے اور سالک ہر شئے کو بلا شوق و نفرت یعنی مساوات کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وحدتِ حق کا یہ دورویہ جلوہ ہے۔



चतुर्थोऽध्यायः ।
समाधिःवर्णनम्
अवधूत उवाच

چوتھا باب

جادۂ فنا۔ محویت

مجذوبِ کامل فرماتے ہیں۔

नावाहनं नैव विसर्जनं वा
पुष्पाणि पत्राणि कथं भवन्ति ।
ध्यानानि मंत्राणि कथं भवन्ति
समासमं चैव शिवार्चनं च ॥ १ ॥

(۱) نہ ذوقِ دیدار۔ نہ شوقِ رخصت (شریعت)
نہ برگ و گُل تحفۂ عقیدت
ثنائے ظاہر۔ نہ تلاشِ باطن
رضائے حق ہے مری شریعت

محدود شخصیت کی آمد و رفت ہوا کرتی ہے۔ جو ہستی ہر کہیں موجود ہے اُسکا خیر مقدم اور وداع ممکن نہیں۔ بشر کو دیکھنے اور سونگھنے کی قوت حاصل ہو اِس لئے وہ برگ و گُل کی پیشکش سے رضامند ہوتا ہے۔ ذاتِ علیم اِن احساس سے

بالاتر ہے اور اُس کے حضور میں یہ نذرانہ بیکار ہے۔ صفاتی جلوے دیکھنے میں آتے ہیں چنانچہ زبان اُنہیں بیان کرتی ہے نورِ ذات کے دیدار کی نگاہ کوتاب نہیں ہے اس لئے اُس کی ثنا گوئی غیر ممکن ہے۔ دیگر لفظوں میں کسی پابندِ شریعت کی رسائی منزلِ معرفت تک دفعتاً نہیں ہوتی اس لئے اُس کا فرض ہے کہ وہ طریقت اور حقیقت کی درمیانی منازل باقاعدہ طے کرے۔

न केवलं बन्धविबन्धमुक्तो
न केवलं शुद्धविशुद्धमुक्तः ।
न केवलं योगवियोगमुक्तः
स वै विमुक्तो गगनोपमोऽहम् ॥ २ ॥

(۲) طریقِ آزاد۔ نہ قیدِ ملّت (طریقت)
نگاہِ بے لوث۔ نہ گردِ کُلفت
مسرّتِ وصل نہ رنجِ ہجراں
خلاصفت ہے۔ مری طریقت

بند و نجات حجاب و جلوہ اور ہجر و وصال کے متضاد خیالات کا دل سے دُور کرنا اصلی طریقت ہے کہ اِس کی برکت سے دل کی ہستی روحانیت میں بدل جاتی ہے۔

संजायते सर्वमिदं हि तथ्यं
संजायते सर्वमिदं वितथ्यम् ।
एवं विकल्पो मम नैव जातः
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ ३ ॥

(۳) طلسم بے لُود ہے یہ دُنیا (حقیقت)
کہ حق نُما ہے وجود اِس کا
ہیں ایسی حُجّت سے ہوں مُبرّا
نگاہِ وہم و یقیں سے بالا

ہوش و حواس دُنیا کی ہستی ثابت کرتے ہیں ساتھ ہی ان کی مفارقت دُنیا کی بے ثباتی دکھاتی ہے۔ یہی دو نقطۂ نظر ہیں جنہیں گمان اور یقین کہتے ہیں۔ اِن کے درمیان مخالفت موجود ہے لیکن ذاتِ علیم اِس کی روا دار نہیں۔ یہ منزلِ حقیقت کا بیان ہے۔

न साञ्जनं चैव निरञ्जनं वा
न चान्तरं वापि निरन्तरं वा ।
अन्तर्विभिन्नं न हि मे विभाति
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ ४ ॥

(۴) نہ خاک آلود ہوں نہ صافی (معرفت)
نہ شاملِ کلّیت نہ جزوی
نہ کچھ شہودی۔ نہ کچھ غیوبی
نجات ساماں ہے میری ہستی

کدورت و صفا۔ جزویت و کلّیت اور غیب و شہود سے ذاتِ پاک کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ منزلِ معرفت کا بیان ہے اور آزادی کا یہ اسکی آئینہ دار ہے۔

अबोधबोधो मम नैव जातो
बोधस्वरूपं मम नैव जातम् ।
निर्बोधबोधं च कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ ५ ॥

(۵) نہیں ہوں جہل و خرد کا عادی (یکسوئی توجہ)
نہ میرا شیوہ ہے خود شناسی
بعید مجھ سے ہیں ہوش و غفلت
عجیب عرفاں سرا ہے میری

انسان کی قابلیت کے تین درجے ہیں جنہیں نادانی۔ دانشمندی اور خود شناسی کہتے ہیں۔ ان سے اعلیٰ وہ کیفیتِ قلبی ہے جس کو اصطلاح میں بیخودی کہتے ہیں۔ یہ علمی تثلیث ہے اور وہ ان سے پاک و برتر ہے۔

न धर्मयुक्तो न च पापयुक्तो
न बन्धयुक्तो न च मोक्षयुक्तः ।
युक्तं त्वयुक्तं न च मे विभाति
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ ६ ॥

یہ بدشعاری وہ نیکوکاری (بیفکری)
یہ قیدِ ہستی۔ وہ رستگاری
اس اولیت سے بے تعلق
نگاہ وحدت نما ہے میری

موحّد کی نگاہ میں عذاب و ثواب اور بند و نجات کا نقشہ مٹ جاتا ہے۔
اس لئے وہ نیرنگی کی بجائے یکرنگی کا جلوہ دیکھتا ہے۔

परापरं वा न च मे कदाचि
न्मध्यस्थभावो हि न चारिमित्रम् ।
हिताहितं चापि कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ ७ ॥

(۷) نہ غیر کوئی نہ کوئی اپنا (بے تعصبی)
نہ یار و دشمن نہ صلح پیما
مجھے ہیں سود و زیاں مساوی
کہ ہر کہیں ہے ظہور میرا

عارف کو جب دیدارِ ذات نصیب ہوتا ہے تو اُس کے دل سے یگانگت و غیریت دوستی و دشمنی اور نفع و نقصان کے خیالات دُور ہو جاتے ہیں۔ یہ مساواتِ نظر کی تفسیر ہے۔

नोपासको नैवमुपास्यरूपं
न चोपदेशो न च मे क्रिया च ।
संवित्स्वरूपं च कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ ८ ॥

(۸) نہ عبد و معبود کا قضیّہ (بیخودی)
نہ درس علم و عمل کا قصّہ

دکھاؤں کیا اپنی ہوشیاری

سُرور طاری ہے بیخودی کا

بندگی و خُدائی اور علم و عمل کے جو تعیّنات کسی ہوشمند کو دریافت ہوتے ہیں جلوہ مست کی نگاہ میں اُن کی معدومیّت ہے چُنانچہ اُسے سُرورِ ابدی کا حصّہ دار کہنا دُرست ہے۔

नो व्यापकं व्याप्यमिहास्ति किञ्चि

न्नचालयं वापि निरालयं वा ।

अशून्यशून्यं च कथं वदामि

स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ ९

(بے تعلقی) کہاں وہ خُرد و کلاں کا جھگڑ (۹)

کہاں کسی کا کوئی سبب ہے

کروں میں کیا ذکرِ خالی و پُر

دوئی کا منع ہے میرا جو

خورد و کلاں کا تفرقہ۔ حیرو اختیار کا تقابل۔ در عدم و وجود کا تصادم عالم وحدت میں نظر آتا ہے۔ بقائے ذات میں یہ نیرنگی غائب ہے۔

न ग्राहको ग्राह्यकमेव किञ्चि-

न्न कारणं वा मम नैव कार्यम् ।

अचिन्त्यचिन्त्यं च कथं वदामि

स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ १०

(۱۰) نہ داخلیت نہ خارجیت (رُوحانیت)

نہ شکلِ معلُول ورنگِ علّت

نہ عقل محدُود و علم بے حد

مرے مُصاحب ہیں درحقیقت

ذات میں اصل و فرع. فعل و نتیجہ اور تنگی و وسعت کا دخل نہیں ہو سکتا کہ یہ تینوں صفاتی شُعبدے ہیں. کیف مست کو جو ابہام ہوتا ہے وہ وجد کی حالت میں ہی ہوتا ہے۔

न भेदकं वापि न चैव भेद्यं
न वेदकं वा मम नैव वेद्यम् ।
गतागतं तात कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमानमयोऽहम् ॥ ११ ॥

(۱۱) نہ میں ہوں قاسم نہ میری قسمت (ہر ہیت)

نہ مجھ میں مضموں نہ واقفیت

میں کب ہُوا موردِ تناسخ

مجھے میسّر ہے عین راحت

قسّام ازل مُختار ہے اور قسمت رکھنے والا مجبُور۔ اُسے تو قسمت کا حال معلوم رہتا ہے لیکن اسیر پہ راز فاش نہیں ہوتا ایسی صُورت میں رُوح بشر دیگر اجسام میں داخل ہو کر جزا و سزا کی مستوجب قرار دی جاتی ہے۔ مجذوب کامل فرماتے ہیں کہ ان خیالات کی گنجائش میرے دل میں نہیں ہے۔ میں اپنی ہستی کا خُفیہ قسم

آزاد یعنی جبر و اختیار کے مسئلہ سے بے تعلق اور تکلیف و آرام کے احساس سے منزّہ جانتا ہوں۔

न चास्ति देहो न च मे विदेहो
बुद्धिर्मनो मे न हि चेन्द्रियाणि ।
रागो विरागश्च कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ १२ ॥

(۱۲) میں برتر از قیدِ جسم و جاں ہوں (دوئی)
حواس و ہوش و خرد سے بیروں
کروں میں کیا ذکرِ شوق و نفرت
مری حقیقت ہے اِن سے افزوں

رُوحِ پاک جسم انسان میں نازل ہونے پر حواس دل اور عقل کی صحبت اختیار نہیں کرتی۔ وجہ یہ ہے کہ وہ آرام کی خواہشمند اور تکلیف سے مُتنفّر نہیں ہے۔

उल्लेखमात्रं न हि भिन्नमुच्चै
रुल्लेखमात्रं न तिरोहितं वै ।
समासमंमित्रकथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ १३ ॥

(۱۳) نہ صُورتِ حرف ہوں نُمایاں (یکرنگی)
نہ میں ہوں مانندِ صوت پنہاں
کمی و بیشی سے بے تعلق

قیام میرا ہے سب میں یکساں

حُروف کی مُختلف شکلیں نظر آتی ہیں اور اُن میں کمی وبیشی ہوتی ہے صوت کی کوئی شکل نہیں ہے پھر بھی سُننے والے کو اس کی بلندی و پستی کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ ذات نا مُتناہی اس ظہور و بطون کے طلسم سے باہر ہے +

जितेन्द्रियोऽहं त्वजितेन्द्रियो वा
न संयमो मे नियमो न जातः ।
जयाजयौ मित्र कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ १४ ॥

(۱۴) نہ مُتقی ہوں نہ ہوس پرور (بے لوثی)
نہ مطمئن ہے یہ دل نہ مضطر
شکست و نُصرت کا کیا بیاں ہو
بلا تغیّر ہے میرا منظر

زہد و رندی۔ اطمینان و پریشانی اور کامیابی و ناکامی کے مُطابق انسان کی عملی زندگی اعلیٰ اور ادنیٰ مانی جاتی ہے۔ مگر اس کی روح میں یہ مدارج نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ مذکورہ بالا صفتوں سے مُعرّا ہے۔

अमूर्तमूर्तिर्न च मे कदाचि-
दाद्यन्तमध्यं न च मे कदाचित् ।
बलाबलं मित्र कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ १५ ॥

(۱۵) نہ معنی و صورت آشنا ہوں — باتسلی

نہ ابتدا و انتہا ہوں

کہوں میں کیا حالِ ضعف و قوت

نظامِ ہستی سے میں جدا ہوں

ہستیاں کبھی ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی غائب ہو جاتی ہیں [illegible] جدا [illegible] اور [illegible] کیا جاتا ہے۔ [illegible] حقیقت کی ہستی [illegible] باقی [illegible] ایک [illegible] سے [illegible] ہے۔ [illegible]

मृतात्मतं चापि निशाचिन्त्यं च
न जायते तात्त न च कदाचित ॥
अमूढमूढं न कश्चं कदापि
[illegible] ॥ १६ ॥

(۱۶) نہ میں حیات و ممات تجھ پر — [illegible]

نہ [illegible] و آبِ حیات تجھ پر

[illegible] کس طرف [illegible]

نہیں ہے [illegible] صفات [illegible]

[illegible] ذلیت [illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible] تعلق [illegible]

स्वप्नः प्रबोधो न च योगमुद्रा
नक्तं दिवा वापि न मे कदाचित् ।
अतुर्यतुर्यं च कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ १७ ॥

(۱۷) نہ ہوشں و غفلت نہ نیم خوابی (رازِ ازل)
نہ روز و شب سے ہے میری یاری
ہیں کب ہوا واحد و سہ گانہ
ازل سراپا ہے میری ہستی

بیداری۔ خوابِ پریشاں اور گہری نیند وہ تین حالتیں ہیں جن میں سے رُوحِ بشر کا گذر ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ لیکن خاص شخص پر خاص صورت میں ایک عالمِ کیف طاری ہوجاتا ہے جسے ہوشں و غفلت کی درمیانی حالت کہنا چاہیئے۔ اور جس میں بشر کو نہ سوتا کہہ سکتے ہیں نہ جاگتا۔ مجذوبِ کامل فرماتے ہیں کہ ان وارداتِ قلبی سے رُوحِ بشر کو سروکار نہیں ہے۔

संविद्धि मां सर्वविसर्वमुक्तं
माया विमाया न च मे कदाचित् ।
संध्यादिकं कर्म कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ १८ ॥

(۱۸) قیودِ ہیچ و ہمہ سے برتر (علم الیقین)
طلسمِ اسم و صفت سے باہر

نہیں میں عادی مُراقب کا
کہ میری وُسعت ہے میسا منظر

نگاہِ دوئی کے دُور ہونے پر جُزو کُل میں سماتا ہے وہ صفت اپنے معروف میں گُم ہوجاتی ہے مگر ذات علیم میں یہ تار موجود نہیں ہیں اس سے تُرکِ وصال یکسوئی توجہ پر بھی موقوف نہیں۔ اس عروجِ باطنی کو ظوالبتن کہتے ہیں۔

मंविद्धि मां सर्वसमाधियुक्तं
संविद्धि मां लब्धविलक्षयमुक्तम् ।
योगं वियोगं च कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ १९ ॥

(۱۵) نہیں ہے میری حدبندی بیت سیفت
فدا نہ بیہوش و محویت ہوں
وصال اور انفصال کب ہے
میں سب کے اندر بھی ہوں رہوں

توحیدِ خالص میں بیخودی اور خودداری کا تقابل نہیں ہے۔ وہاں اصل وحدانی کو تنازعہ کی نہیں ہے کہ اس کی جامعیت ... اصل دخائر کی منافی ہے۔ یہ عین الیقین کی ... ہے۔

मूर्खोऽपि नाहं न च पण्डितोऽहं
[illegible] [illegible] न च मे कदाचित् ।
नाहं [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] ऽहम् ॥ २० ॥

(۲۰)　　نہ صاحبِ علم ہوں نہ اُمّی　　(حق الیقین)
نہ گُفتگو ہوں نہ ہیں خموشی
دلیل و منطق سے بے تعلّق
ثبوت اپنا ہے اپنی ہستی

جلوۂ توحید میں جہل و دانش گُفتار و خموشی نیز انکار و اقرار کی دورنگی موجود نہیں ہے یعنی زُعم خودی - کلام اور دلیل کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی صرف حق الیقین ایسا ہے جو کسی ثبوت کا محتاج نہیں۔

पिता च माता च कुलं न जाति-
जन्मादिमृत्युर्न च मे कदाचित् ।
स्नेहं विमोहं च कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ २१ ॥

(۲۱)　　نہ گھر نہ ماں باپ اور قبیلہ　　(بیزاری)
نہ جینے مرنے سے میرا رشتہ
سناؤں کیا قصّۂ محبّت
طریق سب سے جُدا ہے میرا

جو بشر اس دُنیا میں آتا ہے اُس کے لئے ماں۔ باپ خاندان اور قوم کا ہونا لازمی ہے وہ اپنے عزیزوں سے اُلفت کرتا ہے اور رشتہ داروں سے یکجہتی رکھتا ہے لیکن موت کے آنے پر داغِ حسرت ساتھ لے جاتا ہے۔ درحقیقت

رُوح نہ کبھی پیدا ہوتی ہے نہ کبھی مرتی ہے اور نہ پابندِ زیست ہوا کرتی ہے۔

अस्तं गतो नैव सदोदितोऽहं
तेजो वितेजो न च मे कदाचित् ।
सन्ध्यादिकं कर्म कथं वदामि
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ २२ ॥

(۲۲) نہ کچھ طلوع و غروب میرا (روشنِ ضمیری)
نہ روشنی ہوں نہ میں اندھیرا
کہاں ہیں شام و سحر کے جلوے
جمال آرا ہے حُسنِ یکتا

آفتاب صبح کے وقت نمودار ہوتا ہے۔ دوپہر تک اُس کی روشنی بڑھتی ہے اور سہ پہر سے گھٹنے لگتی ہے آخر شام کے آنے پر وہ نظروں سے غائب ہوجاتا ہے۔ اُس کی پوشیدگی کا عالم شبِ تار ہے چونکہ آفتاب ایک مادی کُرہ ہے یہ نیرنگیاں اُس سے پیدا ہوتی ہیں۔ نورِ جاں غیر مادی ہے اس لئے ان منظاہروں سے تعلق نہیں رکھتا۔

असंशयं विद्धि निराकुलं मा-
ममंशयं विद्धि निरन्तरं माम् ।
अमंशयं विद्धि निरञ्जनं मां
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ २३ ॥

(۲۳) سکون کان ہے میری ذات سکونِ قلب

یگانگت ہے مری طبیعت
عیوب سے پاک ہوں میں بیشک
کہ ماسوا سے ہے مجھکو فرصت

عینِ وحدت میں دوئی کی آمیزش نہیں ہے اس لئے سکون جامعیّت اور تقدیس اُس کے جوہر مانے جاتے ہیں۔

ध्यानानि सर्वाणि परित्यजन्ति
शुभाशुभं कर्म परित्यजन्ति ।
त्यागामृतं तात पिबन्ति धीरा:
स्वरूपनिर्वाणमनामयोऽहम् ॥ २४ ॥

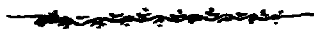
(۲۴) جہاں تصوّر ہے پاشکستہ (رضاکاری)
فنا ہے امر ونہی کا جلوہ
وہاں سے آبِ حیات لینا
رضا پرستوں کا ہے وطیرہ

طالبِ صادق علم وعمل کی نیرنگیوں سے نظر ہٹاکر یعنی فنا کی راہ پر گامزن ہوکر منزلِ بقا میں پہنچتا ہے۔ اُس وقت رضاکاری اُس کا شیوہ بن جاتی ہے۔ یہ آزادی کا اصل کا راز ہے

विन्दति विन्दति नहि नहि यत्र
च्छन्दो लक्षणं- नहि नहि तत्र ।
समरसमग्नो भावितपूत:
प्रलपति तत्वं परमवधूत: ॥ २५ ॥

(۲۵) جہاں ہیں بود و فنا مساوی
کلام ہے بے نیازِ معنی
وہاں کا عُقدہ کُشا ہے کوئی
فقیرِ جذب آشنا و کیفی

اودہوت دتاتریہ فرماتے ہیں۔ کہ محویت میں مشاہدہ کا کام نہیں اس لئے زبان اُسے بیان نہیں کر سکتی پھر بھی مردِ باکمال اپنے جذبۂ کیف میں گویا ہوجاتا ہے اور اُس کی گفتار سے پیروان طریقت کو منزلِ روحانیت کا پتہ چلتا ہے۔



अथ पञ्चमोऽध्यायः

मोक्षावस्था

अवधूत उवाच ।

پانچواں باب

منزلِ بقا ہمہ دیدار

مجذوبِ کامل فرماتے ہیں

ओमिति गदितं गगनसमं त-
न्न परापरसार विचार इति ।
अविलासविलासनिराकरणं
कथमक्षरबिन्दुसमुच्चरणम् ॥ १ ॥

(۱) تثلیث نہیں وحدت سے جُدا (ہمہ دیدار)
صُورت میں بیاں ہے معنی کا
غائب ہے نظر سے رنگِ دوئی
کیا حرف اور صوت ہوں رازکُشا

عالم۔علم اور معلوم کی تثلیث بمنزلۂ صُورت کے ہے اور کیفِ وصال معنی کے مرادف ہے۔ دراصل صُورت و معنی میں کوئی فرق نہیں ہے اِس لئے کہ دراصل ذات کی نظر میں دونو مساوی ہیں۔ یہ اندرونی کیفیت کی تفسیر ہے۔

اب عالمِ بیرونی پر نگاہ ڈالی جائے تو وہ حرف کی طرح نمایاں ہے اور اُس کا صانع صوت کی مانند اُس میں پوشیدہ ہے۔ وہاں بھی نشان اور نام کی تقسیم غلط ہے کیونکہ واحد ہستی اِس دورنگی کے تابع نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیال و زبان اس کے ادراک اور بیان سے قاصر ہیں۔ مُدعا یہ ہے کہ عشق ذات مُحیط ہو کر تخیّل اور تقریر میں نہیں آ سکتا۔

इति तत्त्वमसिप्रभृतिश्रुतिभिः
प्रतिपादितमात्मनि तत्त्वमसि ।
त्वमुपाधिविवर्जितसर्वसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥ २ ॥

(۲)　تری ذات ہے خلوت گاہِ یقیں　　(رحیم ظفر)
من و تو کا نظارہ تجھ میں نہیں
غیروں کا سوا کب دخل وہاں
بے وجہ نہ ہو اے دلِ غمگیں

عارفانِ گذشتہ نے عشق ذات کو صحیح و من و تو کے عقیدے کو غلط بتایا ہے۔ او صوت وتا تریہ اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تو اُن کے کلام پر اعتبار کر اور مطمئن ہو جا۔ تیرے آزردہ رہنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

अधऊर्ध्वविवर्जितसर्वसमं
बहिरन्तरवर्जितसर्वसमम् ।
यदि चैकविवर्जितसर्वसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥ ३ ॥

(۳)　　بالا ہے نہ پائیں یکساں ہے　　(واحد)

بیروں نہ دروں تو عُریاں ہے

وحدت میں تری گُم ہے کثرت

پھر کس لئے اے دل حرماں ہے

واقعی طور پر بلندی و پستی بیشی و کمی۔ قلت و کثرت کے آثار تجھ میں نہیں ہیں۔ اس لئے اے دل تو گریہ وزاری سے باز آ۔

न हि कल्पितकल्पविचार इति
न हि कारणकार्यविचार इति ।
पदसंधिविवर्जितसर्वसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥ ४ ॥

(۴)　　تجھ میں ہے فنائے وہم وگُماں　　(علیم)

معلُول اور علّت کا فُقداں

تو ربطِ کلام سے برتر ہے

بے وجہ نہ ہو اے دل نالاں

وہم وگُماں کا مظاہرہ علّت و معلُول کا سلسلہ۔ اور مضمون و بندش کا التزام ان میں سے کوئی بھی تیری حقیقت میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے اے دل تیرا نالہ کرنا بے معنی ہے۔

नहि बोधविबोधसमाधिरिति
नहि देशविदेशसमाधिरिति ।
नहि कालविकालसमाधिरिति
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥ ५ ॥

(۵) تو پاک ہے ہوش و تغافل سے (ازلی)
سفر اور حضر یکساں ہیں تجھے
عائد نہیں تجھ پر دورِ زماں
اے دل عرفاں کا سہارا لے

جامع ہستی میں ہیچ و ہمہ کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ وہ مکانی اور زمانی پابندیوں سے بھی بے تعلق ہے۔ ایسی صورت میں دل کو پریشان نہ ہونا چاہیئے واضح رہے کہ نظرِ مساوات کا خاصہ جمعیتِ خاطر ہے۔

न हि कुम्भनभो न हि कुम्भ इति
न हि जीववपुर्न हि जीव इति ।
न हि कारणकार्यविभाग इति
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥ ६ ॥

(۶) تری اصل ہے کوزۂ گل نہ خلا (ابدی)
قالب نہ بنا تو جاں نہ ہوا
اعمال و جزا کچھ تجھ میں نہیں
کس بات کا ہے اے دل رونا

کُوزۂ گل میں خلا محدُود نظر آتا ہے مگر جب وہ ٹوٹ جاتا ہے تو خلے کا لا محدُود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسیطرح زُعم خودی کی معدومیت میں رُوح اعظم کا ایک حال پر قائم رہنا معلُوم ہوتا ہے یہ جُملہ کائنات کا بیان ہے پھر اس کے اندر انسان کی خلقت پر غور کیا جائے تو وہاں بھی رُوح وجسم کا اتّصال اور فعل و نتیجہ کا التزام دکھائی دیتا ہے غرضکہ یہ نظارے اعتبار کے قابل نہیں ہیں مگر وہ ذات کثافت اور لطافت دونوں سے مُعرّا ہے۔ مجذُوب کامل اپنے دل کو ہدایت کرتے ہیں۔ کہ اُسے اصل سے واقف ہونا اور فروعات کا نظرانداز کرنا واجب ہے۔

इह सर्वनिरन्तरमोक्षपदं
लघुदीर्घविचारविहीन इति ।
न हि वर्तुलकोणविभाग इति
किमुरोदिषि मानस सर्वसमम् ॥ ७ ॥

(۷) تو سب میں ہے اور سب سے جُدا (ساوی)

کوتہ نہ دراز ہے قد تیرا

تنگی و فراخی تجھ میں نہیں

چھوڑ اے دل بیجا آہ و بُکا

مناظرِ قُدرت میں وحدت و کثرت۔ کوتاہی و درازی اور تنگی و فراخی کے اختلافات موجود ہیں مگر ناظر کو ان سے سروکار نہیں ہے۔

इह शून्यविशून्यविहीन इति
इह शुद्धविशुद्धविहीन इति ।
इह सर्वविसर्वविहीन इति
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥८॥

(۸) تو خالی و پُر سے برتر ہے (بے لوث)
شفّاف نہ شکلِ مُکدّر ہے
ہیچ اور ہمہ نہیں تیرے عدُو
تجھکو اے دل کس کا ڈر ہے

مادّی اشیاء میں انجماد و رِقّت ۔ کدُورت و صفائی ۔ نیز خوردی و کلانی پائے جاتے ہیں۔ جان غیر مادّی ہے اس لئے یہ خواص اُس کے نہیں ہو سکتے ۔

न हि भिन्नविभिन्नविचार इति
वहिरन्तरसन्धिविचार इति ॥
अरिमित्रविवर्जितसर्वसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥९॥

(۹) شامل نہ جُدا تو ساری ہے (بے نیاز)
باہر ہے نہ اندر حاوی ہے
یار اور اغیار نہیں تیرے
اے دل پھر کیوں فریادی ہے

شراکت اور جُدائی نمود اور پوشیدگی، دوستی اور دشمنی کے مظاہروں میں باہمی مخالفت ہے مگر ذاتِ برتر میں اس کا امکان نہیں۔

न हि शिष्यविशिष्यसरूप इति
न चराचरभेदविचार इति ।
इह सर्वनिरन्तरमोक्षपदं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥१०॥

(۱۰) بیزار مُریدی وپیری سے
جسم وجاں کی حد بندی سے
اے دل تو ہمیشہ ناجی ہے
کیا کام ترا بیتابی سے

عالمِ موجودات کے تین طبقے ہیں جنہیں جمادات نباتات اور حیوانات کہتے ہیں۔ جمادات اور نباتات میں نقل و حرکت کی طاقت نہیں ہے اس لئے اُنہیں بے حس مانتے ہیں۔ حیوانات چلتے پھرتے ہیں اور حواسِ خمسہ سے کام لیتے ہیں اس لئے وہ جاندار کہلاتے ہیں اِن کی اعلیٰ قسم انسان ہے جو کہ حواسِ خمسہ کے علاوہ ہوش و خرد رکھتا ہے اور خودشناسی کی معراج تک پہنچتا ہے۔ واضح ہو کہ شانِ وحدت میں عالم کی نیرنگیوں سے کوئی فرق نہیں آتا۔ اے دل تو اس راز سے آگاہ ہو کر فکرِ باطل چھوڑ دے۔

ननु रूपविरूपविहीन इति
ननु भिन्नविभिन्नविहीन इति ।

ननु सर्गविसर्गविहीन इति
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥११॥

(۱۱) ظاہر نہ کہیں تو ہے مخفی (دیواسطہ)
شرکت نہ جُدائی ہے تیری
لازم نہیں تجھ پر بود و فنا
چھوڑ اے دل خبطِ نوحہ گری

ذاتِ مطلق میں غیب و شہود۔ ہجر و وصال اور پیدائش و فنا کے نقش و نگار نہیں ہیں اے دل تو اس حقیقت سے واقف ہوکر بیفائدہ نوحہ گری ترک کر دے۔

न गुणागुणपाशनिबन्ध इति
मृतजीवनकर्म करोति कथम् ।
इति शुद्धनिरञ्जनसर्वसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥१२॥

نیکی و بدی غائب ہوں جہاں (نوری)
کیا مرگ و زیست کا کام وہاں
اِک عالمِ نوری ہے بے حد
کیوں ہے اے دل وقفِ حرماں

قالب اور جان کے الحاق کا نام حیات ہے اور ان کے افتراق کو مرگ کہتے ہیں۔ یہ تقسیم گردشِ اعمال کے اعتبار سے کی جاتی ہے مگر نورِ مطلق میں

سایہ کی طرح معدوم ہے۔ اس لئے وہاں زندگی و موت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ امرِ واقعی کا بیان ہے۔ اے دل تو اس کے معنی دریافت کر لے تاکہ تجھے یاس و حرماں سے بریّت حاصل ہو۔

इह भावविभावविहीन इति
इह कामविकामविहीन इति ।
इह बोधतमं खलु मोत्तसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥१३॥

(۱۳) ہستی و عدم منفی ہیں جہاں (کیفی)
تشویش و طمانیت یکساں
بے غفلت و ہوش ہے کیفیت
اے دل تو ہو جا محو وہاں

ہستی کا شوق اور نیستی کا خوف ایسے جذبات ہیں جو طالب نجات کے سدِ راہ ہوتے ہیں۔ اے دل تو انہیں دور کر دے کہ ایسا کرنے سے تجھے وہ کیفِ روحانی میسّر ہوگا جو شے سے لطیف تر ہے اور آزادی کہلاتا ہے۔

इह तत्त्वनिरन्तरतत्त्वमिति
न हि संधिविसन्धिविहीन्न इति ।
यदि सर्वविवर्जितसर्वसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥१४॥

(۱۴)　　ہنگامۂ ذات و سوا ہے غلط　　(ساری)

تمئیز بقا و فنا ہے غلط

جب تو ہی ہے پیدا و نہاں

پھر تیرے الم کی بنا ہے غلط

اصل و فرع۔ باقی و فانی اور ظاہر و باطن کا فرق غلط ثابت ہونے پر اے دل تیری رنجیدگی کے کچھ معنی نہیں رہتے۔

अनिकेतकुटी परिवारसमं

इह सङ्गविसङ्गविहीनपरम्।

इह बोधविबोधविहीन परं

किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥१५॥

(۱۵)　　مست و تارک یا خانہ نشیں　　(رندِ و نجات)

رند و صوفی یا صاحبِ دیں

ہر حال میں رہ مسرور اے دل

تو پابند و آزاد نہیں

جلوہ مست اپنی زندگی آزادی سے بسر کرتا ہے۔ تارک ثمرۂ اعمال سے نظر اٹھا کر خانہ بدوش ہو جاتا ہے۔ خانہ دار دین و دنیا کی رسوم شرع کی بموجب ادا کرتا ہے۔ طرزِ معاشرت کے یہ تین درجے ہیں لیکن جانِ پاک کو اِن سے واسطہ نہیں ہے۔

अविकारविकारमसत्यमिति
अविलक्षविलक्षमसत्यमिति।
यदि केवलमात्मनि सत्यमिति
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥१६॥

(۱۶) باطل ہے فکرِ حدُوث وقِدم (حدوث وقدم)
لا حاصل غیب و شہود کا غم
تو عینِ نُور ہے عینِ حق
اے دل نہ کر اب اپنا ماتم

عینِ نُور میں ظہور اور بطون کا سُراغ نہیں لگتا اور عینِ حق میں بود و فنا کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے دل کی مرثیہ خوانی فضول ہے۔ وحدت شناسی انسان کو بیخوف بنا دیتی ہے۔

इह सर्वसमं खलु जीव इति
इह सर्वनिरन्तरजीव इति।
इह केवलनिश्चलजीव इति
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥१७॥

(۱۷) تو شکل ہمہ متجلّی ہے (ہمہ و بے ہمہ)
اور بے ہمہ نُورِ مخفی ہے
بے ہمہ بھی ہے اِک تیری ادا
پھر کیوں اے دل جانسوزی ہے

تُجھ سے عالم کا جلوہ ہے اور تو اپنے جلوے میں پوشیدہ ہے۔ پھر جلوہ گری اور پوشیدگی سے علیحدہ رہنا تیری خاص ادا ہے۔ اے دل تو اس مُعمّہ کو حل کر کے مُطمئن ہو جا۔

अविवेकविवेकमबोध इति
अविकल्पविकल्पमबोध इति ।
यदि चैकनिरन्तरबोध इति
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥१८॥

(۱۸) تو جہل اور دانش سے ہے جُدا (گمان و یقین)
تُجھ میں ہیں گُمان و یقین فنا
یک رنگ ہے جب عرفان تیرا
پھر کیوں اے دل یہ آہ و بُکا

عقل کے دائرے میں جہل و دانش کی ہنگامہ آرائی ہے اور دل کی بساط پر گُمان و یقین کا مُقابلہ ہے۔ تیرا جوہر عرفان ہے جس میں صُلح اور آشتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اے دل تو عبث ملول نہ ہو۔

न हि मोक्षपदं न हि बन्धपदं
न हि पुण्यपदं न हि पापपदम् ।
न हि पूर्णपदं न हि रिक्तपदं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥१६॥

(۱۹) تُجھ میں نہیں بندش و آزادی (عذاب و ثواب)

آثارِ ثواب و گنہگاری
نقص اور کمال سے بالاتر
بے منت ہے تیری ہستی

بند و نجات۔ عذاب و ثواب اور نقص و کمال کی حدود میں واحد ہستی کبھی نہیں آتی اِس لئے دل کو مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں ہے ✤

यदि वर्णविवर्णविहीनसमं
यदि कारणकार्यविहीनसमम् ।
यदि भेदविभेदविहीनसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२०॥

(۲۰) نسلی رنگت غائب ہے جہاں (توٹک ورت)
قومی خصلت گم کردہ نشاں
مذہب کی حدبندی بھی نہیں
اے دل کر لے آرام وہاں

نوعِ انسان میں نسل کے ساتھ رنگ کا اختلاف ہے اور قوم کے ساتھ خصلت کا فرق موجود ہے۔ اس کے علاوہ مذہب کی بنا پر باہمی تعصب بڑھ رہا ہے اور یہ تینوں ملکر دنیا میں بے چینی کا موجب ہیں تاہم جو شخص اپنی جان کو ان اختلافات سے بالاتر سمجھتا ہے اُسے ہمیشہ قلبی تسکین ہوتی ہے۔

इह सर्वनिरन्तरसर्वचिते
इह केवलनिश्चलसर्वचिते ।
द्विपदादिविवर्जितसर्वचिते
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२१॥

(۲۱) تو عشق صفت ہے ہرجائی (حسن و عشق)
جذب آسا مائلِ تنہائی
عالم ہے فروغِ حُسن ترا
اے دل کر ترکِ من و مائی

اے دل تیری دانشمندی اِسی میں ہے کہ تو عشقِ حقیقی کی حیثیت سے عالم میں سما جائے اور جذب کامل بن کر عالم سے جُدا ہے۔ ہر دو طریقت کا ماحصل و حدت ہے جسے اصطلاح میں حُسنِ ..ن کہتے ہیں۔ وہم دوئی کے ترک کرنے پر یہ رازِ وحدت عیاں ہوتا ہے۔

अतिसर्वनिरन्तरसर्वगतं
अतिनिर्मलनिश्चलसर्वगतम् ।
दिनरात्रिविवर्जितसर्वगतं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२२॥

(۲۲) نیرنگی سے بیباک ہے تو (وحدت و کثرت)
لوثِ گردش سے پاک ہے تو

پابستۂ لیل و نہار نہیں
کِس واسطے پھر غمناک ہے تو

روزِ روشن میں نیرنگی کا جلوہ نظر آتا ہے اور شب کے وقت فقط اندھیرا آنکھوں کے سامنے رہ جاتا ہے۔ روز و شب آتے جاتے ہیں لیکن آفتاب میں یہ انقلاب موجود نہیں ہے۔ اے دِل تو اُس کی طرح آپ کو ہر حال میں یکساں جان لے۔ ایسا کرنے سے تیری ساری کُلفتیں دُور ہو جائیں گی۔

न हि बन्धविबन्धसमागमनं
　　न हि योगवियोगसमागमनम् ।
न हि तर्कवितर्कसमागमनं
　　किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२३॥

(۲۳) جھگڑا نہیں قید و رہائی کا
خدشہ نہیں وصل و جُدائی کا
بے بحث ہے چون و چرا بھی وہاں
اے دل تو کیوں ہے پُر فغاں

پابندی سے آزادی اور ہجر سے وصال کو بہتر جاننا عقل کا فعل ہے۔ چنانچہ عقلمند ایک سے بچ کر دوسرے کے حاصل کرنے میں سعی کرتا ہے۔ روحِ بشر اس سعی میں شامل نہیں ہوتی کہ وہ ہمیشہ مبرّا اور مطلق ہے۔

इह कालविकालनिराकरणम-
णुमात्रकृशानुनिराकरणम् ।
न हि केवलसत्यनिराकरणं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२४॥

(۲۴) ہم پایہ ہیں مہر و ذرّہ (جزو کل)
ہمرنگِ شرارہ ہے شعلہ
نور اور جلوہ میں فرق نہیں
اے دل رہ فکر سے آسودہ

کرّہ خورشید میں وقت کا اندازہ نہیں ہے مگر کرّہ زمین پر روز و شب اور شام و سحر کی تقسیم سے وقت کا اندازہ کیا جاتا ہے واضح ہو کہ یہ دونو کرّے خود روشن نہیں ہیں بلکہ ذات پاک سے نور اقتباس کرتے ہیں۔ اس لئے اُن کا درجہ برابر ہے۔ شرارہ چھوٹا اور شعلہ بڑا ہوتا ہے لیکن اُن کی ماہیت پر غور کیا جائے تو اُن میں کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں میں خاصۂ آتش موجود ہے۔ ایسے ہی نورِ ذات [illegible] جلوہ [illegible] ہے۔ اے دل تو اس امرِ حق پر یقین رکھ اور اضطراب سے [illegible]

इह देहविदेहविहीन इति
ननु स्वप्नसुषुप्तिविहीन परम् ।
अभिधानविधानविहीनपरं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२५॥

(۲۵) غائب ہے شعورِ قالب وجاں (علم وعمل)
باطل خواب و غفلت کا گُماں
نام اور نشاں کی معدومی
تو کیوں ہے اے دل گریہ کُناں

حالتِ بیداری میں انسان اپنے جسم کی خبر رکھتا ہے اور اُس سے کام لیتا ہے۔ خواب دیکھتے ہوئے وہ جسم سے کام نہیں لیتا۔ مگر اُس کی یاد دل میں بنی رہتی ہے۔ غفلت کی نیند میں یہ علم وعمل کے مظاہرے نہیں ہوتے۔ اِن کے علاوہ ایک وہ کیفیت ہے جسے ہوش وبیہوشی کے درمیان کہنا چاہیئے۔ اس کا نام وجد ہے۔ رُوحِ بشر اِن سب اضافات سے بے تعلّق ہے اس لئے اے دل تجھے فکرمند ہونا واجب نہیں ۔

गगनोपमशुद्धविशालसमं
अविसर्वविवर्जितसर्वसमम् ।
गतसारविसारविकारसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२६॥

(۲۶) تو پاک ومحیط ہے مثلِ خلا (ترکِ احساس)
تقسیمِ جُزو وکُل سے بالا
کُچھ تجھ میں اصل وفرع نہیں

کم ظرفی سے اے دل باز آ

خلے کی یک رنگی پر موجودات کی نیرنگی اثر انداز نہیں ہوتی ایسے ہی ذاتِ پاک کے مساواتی منظر میں جزو کل اور اصل و فرع کا فرق معدوم ہے۔ اے دل تو اپنی تنگ خیالی چھوڑ کر معرفت کی کشادگی دیکھ کہ یہہ تیری نجات کا واحد اور صحیح ذریعہ ہے۔

इह धर्मविधर्मविरागतरं
इह वस्तुविवस्तुविरागतरम् ।
इह कामविकामविरागतरं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२७॥

(۲۷) مختار نہیں - مجبور نہیں
تو ناظر اور منظور نہیں
رم و شوق سے بھی فرصت ہے تجھے
کیوں اے دل تو مسرور نہیں

جبر و اختیار کا مسئلہ عملی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ شوق و نفرت دو متضاد جذبات ہیں جو فطرتِ انسان میں پائے جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا ناظر و منظور کا فرق نگاہِ علم میں ظاہر ہوتا ہے۔ اے دل تو ان تعینات سے بری ہوکر سرورِ ابدی میں محو رہ۔

सुखदुःखविवर्जितसर्वसमं
इह शोकविशोकविहीनपरम् ।

गुरुशिष्यविवर्जिततत्त्वपरं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२८॥

(۲۸) تکلیف و معیشت ہیں یکساں (ترکِ معقولات)
مغموم ہے تو نہ کبھی شاداں
لاعلمی و علم نہیں تجھ میں
اے دل پھر کیوں ہے سرگرداں

تکلیف و آسایش کا مُقام جسم ہے۔ رنج و خوشی انسانی فطرت میں داخل ہیں۔ جہل و دانش میں عقل کی پردہ داری ہے۔ لیکن وحدتِ حق اس ثلاثہ سے برتر ہے۔ اے دل تو اس پر اعتبار کرکے پریشانی سے نجات پا۔

न किलांकुरसारविसार इति
न चलाचलसाम्यविसाम्यमिति ।
अविचारविचारविहीनमिति
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२९॥

(۲۹) تخم اور شجر نہیں شکل تری (ترکِ خیال)
تحریک و سکوں سے تو ہے بری
بیفکری و فکر نہیں تجھ میں
اے دل ہو جا مضبوط و قوی

موجودات کی تین قسمیں ہیں۔ جمادات۔ نباتات۔ اور حیوانات۔

اِن میں سے جمادات ساکن ہوکر بالیدگی سے ہمیشہ محرُوم ہیں۔ نباتات بھی نقل و حرکت نہیں کرتیں مگر ان میں نشو ونما کی طاقت موجود ہے۔ حیوانات کو ہر دو طبقوں پر فضیلت حاصل ہے اِس لئے وہ چلتے پھرتے ہیں اور اپنے اعضاء کے استعمال سے بالیدگی پاتے ہیں۔ پھر بھی اِن میں عقل و ہوش کی کمی رہتی ہے۔ حیوانِ ناطق یعنی انسان کی سرشت میں یہ تینوں صفتیں مکمل طور پر نُمایاں ہیں چنانچہ اُسے اشرفُ المخلوق کا خطاب مِلا ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا طبقوں میں سے کسی میں جانِ پاک ملوث نہیں ہے۔ اے دل تو اس راز سے آگاہ ہوکر قرار حاصل کر۔

इह सारसमुच्चयसारमिति
कथितं निजभावविभेद इति।
विषये करणत्वमसत्यमिति
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥३०॥

(۳۰) اتنا ہی ہے عرفانِ ہستی (ترکِ خودی)

یہ حد ہے عشقِ حقیقی کی

سعئ اس میں ہے تحصیلِ حاصل

بس چھوڑ اے دل پندارِ خودی

مجذُوب کامل اپنے دل سے کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ اوپر بیان کیا ہے اُسے تو جُملہ معلومات کا خُلاصہ سمجھ لے۔ عشقِ باطن

اِس میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہے۔ اور علمی طریقتیں اِس پر نثار ہونے کے قابل ہیں۔ غرضکہ علم، عشق۔ اور عمل کا باہمی تنازعہ اس منزلِ توحید پہ پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اے دل تو ترکِ خودی کو یہاں کا سیدھا اور آسان رستہ مان کر قدم بڑھا۔

बहुधा श्रुतयः प्रवदन्ति यतो
वियदादिरिदं मृगतोयसमम् ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वसमं
किमु रोदिषि मानस सर्वसमम् ॥२१॥

(۳۱) کہتے تھے یہی سب اہلِ صفا (ترکِ تمنا)
مانندِ سراب ہے یہہ دُنیا
باقی ہے مگر اِک ذاتِ احد
اے دل نقشِ موہوم مٹا

عارفانِ گذشتہ نے یک زبان ہو کر دُنیا کی بے ثباتی ظاہر کی ہے اور اُس کے خالق کو قائم اور دائم بتایا ہے۔ اے دل تو اپنے تجربہ سے اُن کے کلام کی تصدیق کر۔ ایسی کوشش میں نہ کسی شے کا ترک ہے اور نہ اخذ۔ صرف توہمات دُور کرکے یقین کو مُستحکم کرنا ہے۔

विन्दति विन्दति नहि नहि यत्र
छन्दो-लक्षणं नहि-नहि-तत्र ।

समरसमग्नो भावितपूतः
प्रलपति तत्त्वं परमवधूतः ॥३२॥

بحرِ دیگر

(جذبِ کامل)

(۳۲) جہاں ہیں بود و فنا مساوی
کلام ہے بے نیازِ معنی
وہاں کا عُقدہ کُشا ہے کوئی
فقیرِ جذب آشنا و کیفی

جہاں وہم و گُماں کا دخل نہیں ہے اور حرف وصوت کی بھی معذوری ہے اس کیفیت کا بیان دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے. پھر بھی طالبِ صادق کی رہنمائی کے لئے کوئی موحّد اپنے اشراق کا کچھ حال بتاتا ہے۔ اودھوت دتاتریہ اِن بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے +



अथ षष्ठोऽध्यायः

मोक्षनिर्णयः

अवधूत उवाच ।

چھٹا باب

(وصالِ ذات۔ استغنا)

مجذوبِ کامل فرماتے ہیں

बहुधा श्रुतयः प्रवदन्ति वयं
वियदादिरिदं मृगतोयसमम् ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिव-
मुपमेयमथो ह्युपमा च कथम् ॥ १॥

(۱) کہتے ہیں یہی سب اہلِ صفا (عینِ حق)
مانندِ سراب ہے یہ دُنیا
لیکن اک ذاتِ مُقدّس ہے
تشبیہ و مُشبّہ سے بالا

عالمِ ایجاد میں غیب و شہود کے مناظر ہیں اس لئے اس کو سراب
مُشابہ کہہ سکتے ہیں، لیکن عالمِ کیفیت میں اِس قسم کی نیرنگی نہیں
اس لئے اُس کی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی۔ پھر بھی وحدا

لفظ سے اُس پر اشارہ کیا جاتا ہے۔

अविभक्तिविभक्तिविहीनपरं
ननु कार्यविकार्यविहीनपरम् ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
यजनं च कथं तपनं च कथम् ॥ २ ॥

(۲) وہ جُز اور کُل کی مظہر ہے (عینِ علم)
فیکون و کُن کی مصدر ہے
عینِ علم و عینِ راحت
زُہد و اشغال سے برتر ہے

اہلِ دیں اور مرتاض دونو علمی طریقت پر چلتے ہیں اور کشفِ باطن کی منزل پر پہنچتے ہیں جہاں اُنہیں جزو کل اور فیکون و کُن کا راز معلوم ہو جاتا ہے۔ واضح ہو کہ کیفِ وصال گمان اور قیاس کی حد سے باہر ہے اس لئے وہاں تک اِن دونوں کی رسائی نہیں ہوتی۔

मन एव निरन्तरसर्वगतं
ह्यविशालविशालविहीनपरम् ।
मन एव निरन्तरसर्वशिवं
मनसापि कथं वचसा च कथम् ॥ ३ ॥

(۳) چھوڑ دے دل خوفِ رُسوائی (عینِ سرور)
تو یکجائی ہے نہ ہرجائی

وہ جذب مکمّل ہے تجھ میں
ساقط ہیں خیال اور گویائی

یہہ دُنیا دِل کا عکس ہے اس لئے دل یکجائی نہیں کہا جا سکتا اُسے ہرجائی کہنا بھی نہیں بنتا کہ وہ مخفی رہ کر ساری دُنیا سے جُدا ہے۔ جب اُس میں متضاد اوصاف نہیں ہیں پھر وہ خیال اور گُفتار کے حلقہ میں کیسے آسکتا ہے

दिनरात्रिविभेदनिराकरण-
मुदितानुदितस्य निराकरणम् ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
रविचन्द्रमसौ ज्वलनश्च कथम् ॥ ४ ॥

(۴) کیا شام و سحر روز و شب کا (نُوری)
موجود وہاں ہو نظّارہ
جس منزل تک پہنچی نہ کبھی
خورشید و مہ و آتش کی ضیا

آفتاب، ماہتاب اور شعلۂ نار کی وجہ سے روئے زمین پر روشنی اور تاریکی کا مقابلہ دیکھنے میں آتا ہے۔ نیز وقت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ہر قسم کی روشنی مادّے سے پیدا ہوتی ہے اس لئے چند نمایاں ہو کر غائب ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے نُورِ وحدت غیر مادّی اور مُستقل ہستی ہے اور اس میں زمانہ کا کوئی تعیُّن نہیں۔

गतकामविकामविभेद इति
गतचेष्टविचेष्टविभेद इति ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
बहिरन्तरभिन्नमतिश्च कथम् ॥ ५ ॥

(۵) دوری نہ وہاں ہے نزدیکی (یکساں)
جنبش نہ سکوں کی عشوہ گری
اک منظر ہے اتنا یکساں
ہیں دونوں دوئی بے معنی

شوق وصال میں نہ سکون ہے اور ترک شغل میں سکون کی قربت یہی حال اشغال کے اخذ و ترک کا ہے۔ یکسانی ہستی میں یہ دورنگی موجود نہیں۔

यदि मार्गविमार्गविहीन इति
यदि शून्यविशून्यविहीन इति ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
प्रथमं च कथं चरमं च कथम् ॥ ६ ॥

(۶) ہے اصل نہ فرع کا نام و نشاں (ناپید)
جب سمت کا کوئی نشان نہ ہو
ظلمت جب نہیں کہ ذات شفق
پھر ابتدا کیا انتہا کیا

عقلِ محدود اصل کو اوّل اور فرع کو آخر مانتی ہے، نیز جزو کو خورد اور کُل کو بُزرگ قرار دیتی ہے مگر ذاتِ مُطلق میں یہ اتضّاد موجود نہیں۔

यदि भेदविभेदनिराकरणं
यदि वेदकवेद्यनिराकरणम् ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
तृतीयं च कथं तुरीयं च कथम् ॥७॥

(۷) نظروں سے دوئی ہے آخری نہاں (مساوی)
ناظر میں ہوا منظور عیاں
دیدار کی اِس ہمرنگی میں
تثلیث کہاں توحید کہاں

علمی ثلاثہ کی شکستگی کا نام توحید ہے، لیکن کیفِ وصال میں یہ عزل و نصب نہیں ہے لہذا اُسے حیاتِ انسانی کا نصب العین اور آزادیِ کامل کا مُرقع کہنا چاہیئے۔

गदितागदितं न हि सत्यमिति
विदिताविदितं न हि सत्यमिति ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
विषयेन्द्रियबुद्धिमनांसि कथम् ॥ ८ ॥

(۸) گُفتار و خموشی سے بالا (ہوش رُبا)
جہل و دانش سے بھی اعلیٰ

اِک ذاتِ نامتناہی ہے
بیرونِ قیاس و ہوش رُبا

گویائی اور سکوت دونو اُس کے اظہار سے قاصر ہیں اور علم و لاعلمی دونو اُس کے ادراک میں معذور ہیں۔ حواس دل اور عقل میں سے کسی کی رسائی اُس تک نہیں ہوتی۔ ذاتِ مقدس کا وہ حیرت انگیز منظر ہے۔

गगनं पवनो न हि सत्यमिति
धरणी दहनो न हि सत्यमिति ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
जलदश्च कथं सलिलं च कथम् ॥६॥

(۹) باد اور خلا غائب ہیں وہاں (مُسبّرا)
گرد و گرما محرومِ نشاں
ابر و باراں معدوم صفت
ساری ہے فقط نورِ عُریاں

چشمِ ظاہر بیں اس عالم میں عناصر اور اُن کے مرکبات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ لیکن اُس ذات کے دیدار سے محروم ہے جس میں یک رنگی کے سوا کچھ نہیں اور جس کے دیکھنے کا آلہ چشمِ باطن ہے مدّعا یہ ہے کہ محقّق جلوۂ کثرت دیکھتا ہے مگر موحّد کو وحدت کا دیدار میسّر ہوتا ہے۔

यदि कल्पितलोकनिराकरणं
यदि कल्पितदेवनिराकरणम् ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
गुणदोषविचारमतिश्च कथम् ॥ १०

(۱) دُنیا سے جُدا عُقبیٰ ہے غلط (دبرتر)
انسان سے ملک اعلیٰ ہے غلط
وحدت میں قصور و حُور کہاں
اندازہ مجاہد کا ہے غلط

عقلِ بشر دوئی کی پابند ہوکر خوبی اور نقص کو دیکھتی ہے۔ چنانچہ وہ عالم کو ارض و سما پر منقسم مانتی ہے اور انسان سے ملائک کا درجہ بلند قرار دیتی ہے۔ مگر وحدت ذات میں دورنگی معدوم ہے اس لئے اسکی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔

मरणामरणं हि निराकरणं
करणाकरणं हि निराकरणम् ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
गमनागमनं हि कथं वदति ॥ ११ ॥

(۱) جو بے جان و جاندار نہیں (رساکن)
بیکار نہیں باکار نہیں
اِک حال پہ قائم رہتا ہے

وہ کب آتا جاتا ہے کہیں

جس ہستی پر اوصاف واعمال اور پیدائش وفنا کی قیود لازم نہیں ہیں وہ تناسخ کے دائرے میں کیسے داخل ہو سکتی ہے۔

प्रकृतिः पुरुषो न हि भेद इति
न हि कारण कार्य विभेद इति ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
पुरुषापुरुषं च कथं वदति ॥ १२ ॥

(۱۲) کب صانع سے صنعت ہے جُدا (محیط)
معلول ہے کیا علّت کے سوا
واحد ہستی ہے محیطِ کُل
بیجا ہے ذات وصفت کہنا

خالق بشکل مخلوقات موجود ہے مُسبّب ہی عالمِ اسباب کی صورت اختیار کرتی ہے ذات اور صفات بالمعنی ایک ہیں۔ دوئی کا خیال لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

तृतीयं न हि दुःखसमागमनं
न गुणाद्द्वितीयस्य समागमनम् ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
स्थविरश्च युवा च शिशुश्च कथम् ॥१३॥

(۱۳) بے واسطہ نشو و ترقّی سے (لاتغیّر)

فارغ آثارِ ضعیفی سے
وہ جانِ جہاں ہے آسودہ
طفلی و شباب و پیری سے

بچّہ کی معصومیت سب کے دل کو لبھاتی ہے اُس کے اعضاءِ جسمانی کھیل کود سے نشو و نُما پاتے ہیں۔ یہ طفولیت کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد وہ سنِ بلوغ کو پہنچتا ہے اور جسمانی و دماغی طاقتوں سے کام لیتا ہوا لذّاتِ دُنیا کا حظ اُٹھاتا ہے۔ آخر میں پیری اُس کے سامنے آتی ہے اور جُملہ طاقتوں کے تنزّل سے اُس کو تکلیف دیتی ہے۔ حیاتِ انسان کے یہ تین مدارج ہیں مگر جانِ پاک ان اثرات کو قبول نہیں کرتی۔

ननु आश्रमवर्णविहीनपरं
ननु कारणकर्तृ विहीनपरम् ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिव-
मविनष्टविनष्टमतिश्च कथम् ॥१४॥

(۱۴) بالا تر قوم اور ملّت سے (ناجی)
کُفر و دیں کی ذہنیّت سے
رُوحِ ناجی ہے مُستغنی
دیدارِ دوزخ و جنّت سے

رُوح انسان قوم و ملّت کی پابندی سے آزاد اور

کفر و دیں کی ذہنیت سے پاک ہے اسلئے سزا و جزا کی مستوجب نہیں ہوسکتی۔

असिताअसितं च वितथ्यमिति
जनिताजनितं च वितथ्यमिति ।
यदि चैक निरन्तरसर्वशिव-
मविनाशिविनाशि कथंहिभवेत् ॥ १५ ॥

(۱۵) کس کے لئے کون ہے حکم فنا (یکتا)
کرتا ہے کون کسے پیدا
ہیچ اور ہمہ کا کیا دعویٰ
ہرجائی ہے ذاتِ یکتا

ذاتِ پاک کو خالق و مخلوق اور قاہر و مقہور ماننا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ ارادت اور مشیّت دونوں سے منزّہ ہے۔

पुरुषापुरुषस्य विनष्टमिति
वनितावनितस्य विनष्टमिति ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिव-
मविनोदविनोदमतिश्च कथम् ॥१६॥

(۱۶) مردی و طفولیت سے جُدا (مقدّس)
زوجیت و بکر سے مستثنےٰ
بے پروا عیش و تجرّد سے

روح اقدس ہے جلوہ نما

طفل کے تمام اعضاء نامکمل ہوتے ہیں اور ان کی بالیدگی پانے پر وہ مرد کہلاتا ہے۔ اسی طرح ایک دوشیزہ کے اعضا نامکمل ہوتے ہیں۔ پھر وہ سنِ بلوغ کو پہنچکر اور ازدواج کے رشتہ میں منسلک ہوکر اولاد پیدا کرتی ہے اور زن کہی جاتی۔ مرد و زن کے باہمی تعلقات پر جنہیں مباشرت کہتے ہیں نوعِ انسان کا قیام ہے ایسی جسمانی تسلسل کی صورت موجود ہے، مگر جانِ پاک اس سے ہمیشہ بے تعلق ہے۔

यदि मोहविषादविहीनपरो
यदि संशयशोकविहीनपरः ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिव
महमेतिममेति कथं च पुनः ॥ १७ ॥

(۱۷) بے فکرِ عذابِ خود داری (عُریاں)
بیزار ز حجابِ لاعلی
وہ حق ہے شُعبدہ باز نہیں
باطل ہے طلسمِ ما و منی

خود غرض رشتۂ اُلفت میں پابند ہوکر اذیت پاتا ہے اور اپنی نادانی کے باعث پریشاں خاطر رہتا ہے۔ اِسے ما و منی کی سحر کاری سمجھیئے، لیکن وہ ذات اِس میں آغشتہ نہیں ہوتی۔

ननु धर्मविधर्मविनाश इति
ननु बन्धविबन्धविनाश इति ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिव
मिहदु:खविदु:खमतिश्च कथम् ॥ १८ ॥

(۱۸) زُہد و رندی رُو پوش ہوئے (کیف مست)
نظروں سے بند و نجات گرے
پھر مست نگاہی نے پایا
ہم پلّہ رنج کو راحت سے

احکامِ شرع کی پابندی کا نام زُہد ہے۔ اس کے برخلاف قیود رسمیات سے مخلصی کے دستور العمل کو صوفیا رندی کہتے ہیں۔ اس کا انجام تکلیف دہ اور اُس کا حاصل آرام رساں ہے مگر کیف مستی کا خاصّہ تکلیف و آرام دونوں کا فرق مٹانا ہے۔

न हि याज्ञिकयज्ञविभाग इति
न हुताशनवस्तुविभाग इति ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
वदकर्मफलानि भवन्ति कथम् ॥ १६ ॥

(۱۹) معبود و عبد کا فرق مٹا (علیم)
پندارِ خودی فی النّار ہوا
تب مستِ شرابِ عرفاں کو

واحد نظر آئے فعل و جزا

ہر کام میں فعل و فاعل ظرف و آلہ کی تقسیم پائی جاتی ہے
چنانچہ خود دارانِ لوازم کو ایک دوسرے سے مختلف دیکھتا ہے
اور بیم و امید میں گرفتار ہوتا ہے۔ مگر جب اُسے علمِ توحید حاصل ہو جاتا ہے
جملہ صفاتِ نیرنگ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس طرزِ عمل کو رضاکاری کہتے ہیں

ननु शोकविशोकविमुक्त इति
ननु दर्पविदर्पविमुक्त इति
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
ननुरागविरागमतिश्च कथम् ॥ २० ॥

(۲۰) غارتگرِ دورِ غم و شادی (مستغنی)
برباد کُنِ ایثار و خودی
اِک تک وا ضبطِ سکوں
بے شوق و رم ہے مستغنی

منظرِ توحید میں خودی و بیخودی کا امتیاز نہیں ہے۔ اس لئے
وہاں رنج و خوشی اور شوق و نفرت مساوی ہو جاتے ہیں۔

न हि मोहविमोहविकार इति
न हि लोभविलोभविकार इति ।
यदि चैकनिरन्तरसर्वशिवं
हृदयविवेकाविवेकमतिश्च कथम् ॥ २१ ॥

(۲۱) ناواقف ہوش اور غفلت سے (الطف)
بیگانہ حرص و قناعت سے
رُوحِ الطف مانوس نہیں
ایجادِ جہل و فراست سے

جہاں علم و جہل کی باہمی تقسیم نہو وہاں حرص و قناعت نیز محبّت و آرزو کا دخل غیر مُمکن ہے۔

त्वमहं न हि हन्त कदाचिदपि
कुलजातिविचारमसत्यमिति ।
अहमेव शिवः परमार्थ इति
अभिवादनमत्र करोमि कथम् ॥ २२ ॥

(۲۲) من و تو سے مجھے ہے بیفکری (بیخود)
کُنبے اور قوم سے آزادی
جب خود ہی ہوں ذاتِ مُطلق
پھر میں توصیف کروں کس کی

من و تُو کا حجاب اور خاندان و قوم کا امتیاز نادانی کے مظاہرے ہیں۔ مگر علمِ ذات انہیں دور کرتا ہے اور ایک محیط ہستی ثابت کرتا ہے جس میں غیریت کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور حمد و ثنا کی گنجایش نہیں رہتی۔

गुरुशिष्यविचारविशीर्ण इति
उपदेशविचारविशीर्ण इति ।

अहमेव शिवः परमार्थ इति
अभिवादनमत्र करोमि कथम् ॥ २३॥

(۲۳) پیر اور مُرید کا بھید مٹا (وصل)
تعلیم کا رشتہ ٹوٹ گیا
تب مجھ پہ کھلا رازِ ہستی
متلاشی ذوقِ نظر نہ رہا

علمی ثلاثہ کی موجودگی میں پیر مُرید اور تعلیم کے آثار نظر آتے ہیں لیکن اُس کے شکست ہونے پران کا باہمی فرق مٹ جاتا ہے یعنی مساوات کا اُصول حاوی ہو جاتا ہے۔

न हि कल्पितदेहविभाग इति
न हि कल्पितलोकविभाग इति।
अहमेव शिवः परमार्थ इति
अभिवादनमत्र करोमि कथम् ॥ २४॥

(۲۴) جب سے نمودِ جسم و جہاں (آزادئ کل)
موہوم وجودِ کون و مکاں
میں رازِ حقیقت سے واقف
کیا ہوں بشبہ وہم و گماں

انسان کو اپنا جسم چھوٹا اور یہ عالم بڑا معلوم ہوتا ہے لیکن عارف کا دل اس امتیاز سے مُعرّا ہوا کرتا ہے یعنی اُس کے یقین میں

ایسی حد بندی نہیں ہوتی۔

सरजो विरोजो न कदाचिदपि
ननु निर्मलनिश्चलशुद्ध इति ।
अहमेवशिवः परमार्थ इति
अभिवादनमत्र करोमि कथम् ॥ २५॥

(۲۵) شوق و نفرت سے مُعرّا ہوں (سکونِ دل)
برتر بے لوث و مُبرّا ہوں
حاصل ہیں صبر و سکون مجھے
کیوں میں بیکار تلاش کروں

شوق و نفرت پیدا ہوکر دل کو مُضطرب کرتے ہیں، اور جستجو میں مصروف رکھتے ہیں۔ اِس کے برخلاف عارف کا دل عینِ اطمینان سے وصالِ ذات کا لُطف اُٹھاتا ہے۔

न हि देहविदेहविकल्प इति
अनृतं चरितं न हि सत्यमिति ।
अहमेव शिवः परमार्थ इति
अभिवादनमत्र करोमि कथम् ॥ २६॥

(۲۶) جان و تن کی کُچھ بود نہیں (وحدانیت)
حقّ و باطل موجود نہیں
وُسعت میں کیفِ موحّد کے

آثارِ دوئی ملتے ہیں کہیں؟

جان کو حق اور تن کو باطل ماننا دُرست نہیں ہے کیونکہ موّحد کا کیف اس فرق کو مٹا دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر دوئی کا خیال دُور ہونے پر وحدت کا یقین رہ جاتا ہے۔

विन्दति विन्दति नहि नहि यत्र
छन्दोलक्षणं नहि नहि तत्र ।
समरसमग्नो भावितपूतः
प्रलपतितत्वं परमवधूतः ॥ २७ ॥

(۲۷) جہاں ہیں بُود و عدم مساوی
کلام ہے بے نیازِ معنی
وہاں کا عُقدہ کُشا ہے کوئی
فقیرِ جذب آشنا و کیفی

سوامی دتاتریہ اپنی مساوات نظر کا حال اس باب میں بیان کرکے اُسے انسانی زندگی کی منزل مقصود بتاتے ہیں اور طالبانِ صادق کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہیں۔ آپ کا کلام رُوحانی انکشافات سے معمور اور آن کی بلند خیالی کا بدیہی ثبوت ہے۔

अथ सप्तमोऽध्यायः
त्यागावस्थावर्णनम्
अवधूत उवाच ।

ساتواں باب
(جذبِ کامل ۔ صفائے قلب)
مجذوبِ کامل فرماتے ہیں

रथ्याकर्पटविरचितकन्थः
पुण्यापुण्यविवर्जितपन्थः ।
शून्यागारे तिष्ठति नग्नो
शुद्धनिरञ्जनसमरसमग्नः ॥ १ ॥

(۱) زیبِ بر دلقِ صد پارہ (مجذوب)
بیزارِ طریقِ ثواب و گُنہ
ساکن ہے فنا کی منزل میں
اک محرمِ عشق بے پروہ

وصلِ ذات کو ایسی دولتِ استغنا حاصل ہوتی ہے جس کی موجودگی میں وہ خلعتِ فاخرہ اور دلقِ صد پارہ کو مساوی جانتا ہے۔ عذاب و ثواب کی قید سے چھوٹ جاتا ہے اور حیاتِ مُستعار کا دلدادہ نہیں رہتا۔

غرضکہ اُس کی وسعتِ نظر میں جُملہ نمائشی اختلافات گُم ہوجاتے ہیں۔

लब्धालब्धविवर्जितलब्धो
युक्तायुक्तविवर्जितदत्तः ।
केवलतत्त्वनिरञ्जनपूतो
वादविवादःकथमवधूतः ॥ २ ॥

(۲) ہستی و عدم سے بیگانہ (بیخود)
وصل و ہجراں سے آسودہ
مصروفِ قیل وقال نہیں
ایک اہلِ نظر از خود رفتہ

عارف مرگ وزیست کی پروا نہیں کرتا۔ وصالِ وہجر کے توہّمات میں گرفتار نہیں ہوتا۔ اور بحث و مُباحثہ میں حصّہ نہیں لیتا یعنی. اوسکی بیخودی اِن امُور کی مانع ہوتی ہے۔

आशापाशविबन्धनमुक्ताः
शौचाचारविवर्जितयुक्ताः ।
एवं सर्वविवर्जितसन्त
स्तत्वं शुद्धनिरञ्जनवन्तः ॥ ३ ॥

(۳) آزاد خیالِ طہارت سے (آزاد)
فارغ اُمّید وحسرت سے
اہلِ استغنا رہتے ہیں

سرشار سرورِ وحدت سے

جسم کو پاک وصاف رکھنا طہارت کہلاتا ہے اور دل سے بیم و اُمید کا دور کرنا تصفیہ قلب نامزد ہے دونو طریقے ماسوائے ذات ہیں۔ اس لئے عارفِ کامل اِن کی طرف متوجہ نہیں ہوتا

कथमिह देहविदेहविचारः
कथमिह रागविरागविचारः ।
निर्मलनिश्चलगगनाकारं
स्वयमिह तत्वं सहजाकारम् ॥ ४ ॥

(۴) بیواسطہ کالبُد و جاں سے
ناواقف یاس و ارماں سے
وہ ذاتِ احد ہے مثلِ خلا
تحصیل نہیں حاصل کے لئے

توحید کے میدان میں جسم و جان کا بازیچہ اور شوق ورم کا مظاہرہ نہیں ہے۔ وہاں تو جلوۂ ذات کی یک رنگی ازل سے چلی آتی ہے۔

कथमिह तत्त्वं विन्दति यत्र
रूपमरूपं कथमिह तत्र ।
गगनाकारः परमा यत्र
विषयीकरणं कथमिह तत्र ॥ ५ ॥

(۵) ثابت نہیں ہست و نیست جہاں

کیا غیب و شہود کا کام وہاں

ذاتِ الطف ہے رشکِ خلا

اُس تک پروازِ خیال کہاں

غیب و شہود، ہست و نیست تک خیال کی رسائی ہے ان سے آگے وہ نہیں جا سکتا۔ یہی صورت میں ترک خیال کا [illegible] ثابت ہوتا ہے۔

गगनाकारनिरन्तरहंस-
स्तत्त्वविशुद्धनिरञ्जनहंसः ।
एवं कथमिह भिन्नविभिन्नं
बन्धविबन्धविकारविभिन्नम् ॥ ६

(۶) [illegible] خلا سے ذات جہاں

ہے وحدت و [illegible] و پنہاں

تقسیم جزو [illegible] سے برتر

[illegible] ریت میں یکساں

جملہ موجودات میں خوردی، بڑائی، حرکت و قیام اور کدورت صفائی کا تبدیلیات مشاہدہ پایا جاتا ہے۔ لیکن خلا میں یہ نیرنگی معدوم ہے [illegible] خلا سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ وہاں ان کا دخل کیسے ہو سکتا ہے۔

केवलतत्वनिरन्तसर्वं
योगवियोगौ कथमिह गर्वम् ।
एवं परमनिरन्तरसर्वं
मेवं कथमिह सारविसारम् ॥ ७ ॥

(۷) واحد ہستی ہے سرتاپا (موحّد)
بُعد و قُربت سے لادعوے
کیا اصل و فرع کی شرکت ہو
کوئی بھی نہیں جب اس کے سوا

ذاتِ یکتا میں اصل و فرع اور وصل و ہجراں کا امتیاز ناممکن ہے کہ یہ امتیاز تو صفات تک محدود ہے۔

केवलतत्वनिरञ्जनसर्वं
गगनाकारनिरंतरशुद्धम् ।
एवं कथमिह सङ्गविसङ्गं
सत्यं कथमिह रङ्ग विरङ्गम् ॥ ८ ॥

(۸) گو ہر شے میں ہے نُور اس کا (صوفی)
وہ بالکل پاک ہے مثلِ خلا
عیب اور صواب سے بالاتر
نیرنگ و یکرنگی سے جُدا

صُورت میں سادگی یا رنگینی ہوتی ہے سیرت میں نقص یا خوبی

مگر ذاتِ پاک میں صورت اور سیرت دونو موجود نہیں ہیں۔

योगवियोगै रहितो योगी
भोगविभोगै रहितो भोगी ।
एवं चरति हि मन्दंमन्दं
मनसा कल्पितसहजानन्दम् ॥ ६ ॥

(۹) بے کیف و کم وصل و فرقت (رضاکار)
بے شوقِ دید و رم ہجرت
وہ دل ہی دل میں کرتا ہے
رفتہ رفتہ کسبِ راحت

وصال کا لطف اور جدائی کی کلفت ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ اُمید اور بیم بھی ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ لیکن عارف ایسی نیرنگی سے سروکار نہیں رکھتا وہ آہستہ آہستہ روحانی ارتقا حاصل کرتا ہے اور اس طرح راحتِ ابدی کا حقدار بنتا ہے۔

बोधविबोधैः सततं युक्तो
द्वैताद्वैतैः कथमिह मुक्तः ।
सहजो विरजाः कथमिह योगी
शुद्धनिरञ्जनसमरसभोगी ॥ १० ॥

(۱۰) کیا ہوش و تغافل میں آئے (عاشق)
توحید و دوئی کا ذمّہ لے

وہ لطف اندوزِ عشقِ ازل
حاصل ہے سکونِ قلب جسے

ہوش و غفلت اور توحید و دوئی کی تفریق اضطرابِ دل پر مبنی ہے۔ واصل ذات کے قلبِ صافی میں یہ تفریق پیدا نہیں ہوتی، وہ اپنی روشن ضمیری سے ترکِ لذّت کی لذّت حاصل کرتا ہے۔

भग्नाभग्नविवर्जितभग्नो
लग्नालग्नविवर्जितलग्नः ।
एवं कथमिह सारविसारः
समरसतत्वं गगनाकारः ॥ ११ ॥

(۱۱) کسب و تکمیل سے آسودہ (عارف)
دوری و قرب سے مستثنیٰ
فارغ تنگی اور وسعت سے
وہ یکساں ہے مانندِ خلا

مذکورۂ بالا خواص کثیف اشیاء میں پائے جاتے ہیں روح کسی خاصّہ کے تابع نہیں ہے اس لئے وہ الطف مانی جاتی ہے اور اُس کی مثال خلے سے دی جاتی ہے۔

सततं सर्वविवर्जितयुक्तः
सर्वं तत्वविवर्जितमुक्तः ।

एवं कथमिह जीवितमरणं
ध्यानाध्यानैः कथमिह करणम् ॥ १२ ॥

(۱۲) جو شاغل ہے بے زعمِ خودی (زندۂ جاوید)
عارف بے پروائے ہستی
عاشق بے ذوقِ فنا اُس پر
عائد نہیں مرگ و زیست کبھی

جس بشر کو شغلِ بے پندار، علم بے حجاب اور عشق بے نیاز حاصل ہے وہ زندۂ جاوید کہلانیکا مستحق ہے۔

इन्द्रजालमिदं सर्वं यथा मरुमरीचिका ।
अखंडितघनाकारो वर्तते केवलं शिवः ॥ १३

(۱۳) یہ طلسماتِ جہاں ہو آبِ صحرا کی مثال (کرشمۂ صفات)
ذاتِ باری ہو مگر واحد محیط و بے زوال

سراب کی طرح عالم کا وجود باطل ہے۔ لیکن ایک ہستی پوشیدہ ہے جس کو باطل نہیں کہہ سکتے کہ وہ عینِ حق، عینِ علم اور عینِ راحت ہے۔

धर्मादौ मोक्षपर्यन्तं
निरीहाः सर्वथा वयम् ।
कथं रागविरागैश्च
कल्पयन्ति विपश्चितः ॥ १४

(۱۴) گرچہ وہ آزاد ہے جملہ قیودِ زیست سے
اہلِ دانش تابعِ فطرت سمجھتے ہیں اُسے

دیندار شریعت کا پابند رہتا ہے۔ شاغل سعی باطن کی طرف لفت پر چلتا ہے۔ عارف علم ذات حاصل کرنے پر بھی پندارِ ہستی میں ملوّث رہتا ہے۔ لیکن واصل ذات ان مدارج کو طے کر کے یعنی قیودِ زیست سے بری ہو کر سرورِ ابدی میں منہمک ہو جاتا ہے۔

विन्दति विन्दति नहि नहि यत्र
छन्दो लक्षणं नहि नहि तत्र-।
समरसमग्नो भावितपूतः
प्रलपति तत्वं परमवधूत : ॥ १५ ॥

(۱۵)　جہاں ہیں بود و فنا مساوی　(علمِ توحید)
کلام ہے بے نیازِ معنی
وہاں کا عقدہ کشا ہے کوئی
فقیرِ جذب آشنا و کیفی

چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں باب کے آخر میں یہ رُباعی تکرار کے ساتھ آئی ہے۔ چونکہ وہاں اس کے معنی بیان کئے گئے ہیں اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

अष्टमोऽध्याय:

शान्ति निरुपणम्

अवधूत उवाच ।

آٹھواں باب

سلوکِ عشق۔ رضا کاری

مجذوبِ کامل فرماتے ہیں

त्वद्यात्रया व्यापकता हताते
ध्यानेन चेत: परता हता ते ।
स्तुत्या मया वाक्परता हता ते
क्षमस्व नित्यं त्रिविधापराधान् ॥ १

(۱) تری جستجو ترکِ حرص و ہوا ہے　　(رضا کاری)
تری دید ذوقِ نظر سے جُدا ہے
تری مدح خوانی ہے میری خموشی
تری بے نیازی مری عیب پوشی

مُحیطِ کُل ہستی کی تلاش بے معنی ہے مگر حرص و ہوا اس کے مُتلاشی ہیں، اس لئے عارف کو اُن کی صحبت سے گُریز واجب ہے دیدارِ ذات کے لئے مساواتِ نظر درکار ہے، اس لئے کہ ذوقِ نظر

شرک پیدا کرتا ہے، اور ترک کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ جہاں کلام کی رسائی نہ ہو وہاں اظہارِ حال کا بہترین ذریعہ خاموشی ثابت ہوتی ہے اگرچہ جسم زبان اور دل میں سے ہر ایک اپنے فعل میں قصور وار ہے، لیکن زعم فاعلیت کا ترک جسے رضا پرستی کہتے ہیں جملہ عیوب کا پردہ دار ہے۔

कौमैरहृतधीर्दान्तो मृदुः शुचिरकिञ्चनः ।
अनीहो मितभुक्छान्तःस्थिरो मच्छरणो मुनिः॥२

(۲) شیوۂ عارف ہے ضبطِ ظاہری و باطنی (شلوک)
کم خوری صدق و صفا ایثار صبر آشتی

رضا پرست کی عملی زندگی پر یہ شعر روشنی ڈالتا ہے۔

अप्रमत्तो गभीरात्मा धृतिमाञ्जित षड्गुणः ।
अमानी मानदः कल्यो मैत्रः कारुणिकः कविः॥३

(۳) ہوش و استقلال، حلم و عفو تسلیم و رضا (ایضاً)
دور اندیشی، متانت، نیکخواہی و وفا

رضا پرست کی ذہنیت کا بیان اس شعر میں درج ہے، اور اس کا تعلق دل سے ہے۔

कृपालुरकृतद्रोहस्तितिक्षुःसर्वदेहिनाम् ।
सत्यासारोऽनवद्यात्मा समः सर्वोपकारकः ॥ ४

(۴) جملہ مخلوقات سے صلح و خلوص دوستی (ایضاً)

پاک نیت، راستبازی، فیض اور روشن دلی

رضا پرست کی عقلِ سلیم میں دوئی کا حجاب نہیں ہوتا، وہ جملہ مخلوقات کی بہبود کے لئے ہمیشہ ساعی رہتا ہے، یہاں تک سالک کی طرزِ زندگی بیان کرکے سوامی دتاتریہ ایک مجذوب کی عظمت ذیل کے اشعار میں دکھاتے ہیں۔

अवधूतलक्षणं वर्णैर्ज्ञातव्यं भगवत्तमैः।
वेदवर्णार्थतत्त्वज्ञैर्वेदवेदान्तवादिभिः ॥ ५

(۵) اہلِ دیں مرتاض عالم اور صوفی کیلئے (جذب)
آگہی درکار ہے مجذوب کے اوصاف سے

دیندار اپنے نیکیوں کا ثمرہ چاہتا ہے۔ مرتاض صفائے قلب کی خاطر ریاضت کرتا ہے۔ فلسفی اپنی روشن خیالی سے عقدۂ ہستی کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ صوفی توحید کا معتقد ہوکر شرک کو نظر انداز کرتا ہے۔ انسانی ارتقا کے یہ مختلف مدارج ہیں۔ مگر ان سب کو مجذوب کی کیفیت سے آگاہ ہونے کی ضرورت ہے اس لئے کہ وہ زندہ جاوید کی حیثیت سے نوعِ بشر کا رہنما ہے۔

आशापाशविनिर्मुक्त आदिमध्यान्तनिर्मलः।
आनन्दे वर्तते नित्यमकारं तस्य लक्षणम् ॥ ६

(۶) حرص و آز سے عاری ہے صفائے باطنی روشن ضمیری،

[illegible]

مصائب دُنیا کے پیش آنے پر عقل کا بجا رہنا مجذوب کی پہلی شناخت ہے۔

वासना वर्जिता येन वक्तव्यं च निरामयम्
वर्तमानेषु वर्तेत वकारं तस्य लक्षणम् ॥ ७

حرفِ دوئم کی بشارت ہیں دلِ بے مدعا
(۷) صاف گوئی اور ادائے فرض بے بیم و رجا (سکونِ قلب)

زبان و دل کا پاک و صاف ہونا مجذوب کی دوسری علامت ہے۔

धूलिधूसरगात्राणि धूतचित्तो निरामयः ।
धारणाध्याननिर्मुक्तो धूकारस्तस्य लक्षणम् ॥ ८

(۸) حرفِ سوئم میں ہے ذکر و فکر سے بیگانگی (ایثارِ نفسی)
جسم سے بے اعتنائی نفس امّارہ کُشی

تن آسانی سے گریز اور خیال کی یکجائی مجذوب کی تیسری پہچان ہے۔

तत्त्वचिन्ता धृता येन चिन्ताचेष्टाविवर्जितः ।
तमोऽहङ्कारनिर्मुक्तस्तकारस्तस्य लक्षणम् ॥ ९

(۹) معنیٔ حرفِ چہارم ہے سُرورِ دائمی (کیفِ مستی)
فرع سے ناواقفیت اصلیت سے آگہی

دیدارِ ذات میں محو رہنا اور ماسوا کی طرف توجہ نہ کرنا کیفِ مستی کی تفسیر ہے، اور یہ مجذوب کی چوتھی نشانی ہے۔

आत्मानं चामृतं हित्वा अभिन्नं मोक्षमव्ययम् ।
गतो हि कुत्सितः काको वर्तते नरकं प्रति ॥१०

(۱۰) خودشناسی و حیاتِ جاوداں سے بے خبر (نفسانیت)
مُلحدوں کی زیست کا انجام ہے نارِ سقر

جو لوگ حیاتِ ابدی کے قائل نہیں ہیں اور زندگی مُستعار کو سب کُچھ خیال کرتے ہیں وہ جہالت کے مرض میں مُبتلا ہو کر نفس پروری کو اپنا شیوہ بناتے ہیں اور ذلّت وخواری کی سزا پاتے ہیں اُن کی خصلت کوّے کی سی ہے، جو کہ شکم پُری کے لئے غلاظت پر چونچ مارنے سے نفرت نہیں کرتا۔ انسان کو دیگر حیوانات پر فہم و ذکا کی وجہ سے شرف حاصل ہے۔ چنانچہ اُس کا نصبُ العین خودشناسی قرار دی گئی۔

मनसा कर्मणा वाचा त्यज्यतां मृगलोचना ।
न ते-स्वर्गोऽपवर्गो वा सानन्दं हृदयं यदि ॥ ११

(۱۱) دل، زباں و تن سے شوقِ صُحبتِ زن چھوڑ دے
کیا بہشت و مغفرت ہیں کیف مستوں کے لئے

نفسِ امّارہ کے قابو میں نہ آنا، عورت کی خوش کلامی کا گرویدہ نہ ہونا، اُس کے ناز و انداز کے تصوّر سے باز رہنا عارف کا فرض ہے وہ لذّاتِ دُنیا کے اس زبردست مظاہرے کو انداز کرتا ہے۔

اور اس کے علاوہ فردوس کی نعمتوں اور نجات کی راحتوں سے اپنا دل پاک وصاف رکھتا ہے۔ یعنی عقبیٰ کے سرمایہ کو بھی ہیچ مانتا ہے۔ عارف کی استغنار جملہ خواہشات کی مانع ہوا کرتی ہے۔

न जानामि कथं तेन निर्मिता मृगलोचना ।
विश्वासघातकीं विद्धि स्वर्गमोक्षसुखार्गलाम् ।।१२

(۱۲) کون ایسی نسلِ آہو چشم کا خالق ہوا (معیشت)
مخربِ ایمان و دیں ناری ہے جسکی ہر ادا

मूत्रशोणितदुर्गन्धे ह्यमेध्यद्वारदूषिते ।
चर्मकुण्डे ये रमन्तिते लिप्यन्ते न संशयः।।१३

(۱۳) موجبِ تزحیک ہے ایسے صنم کی دوستی (کثافت)
جس میں فریبِ کثافت چرم خون و بول کی

कौटिल्यदम्भसंयुक्ता सत्यशौचविवर्जिता ।
केनापि निर्मिता नारी बन्धनं सर्वदेहिनाम् ।।१४

(۱۴) مایۂ مکر و دغا ایذا رسان و بے وفا (فریب نظر)
کس نے پیدا کی یہاں عورت کی شکلِ دلربا

त्रैलोक्यजननी धात्री सा भगी नरकं ध्रुवम् ।
तस्यां जातो रतस्तत्र हाहा संसारसंस्थितिः ।।१५

(۱۵) کیا کہوں یہ مادرِ گیتی ہی دوزخ کا نشاں (قیدِ ہستی)

پھر بھی اس کی جستجو میں نسلِ آدم ہے رواں

जानामि नरकं नारीं ध्रुवं जानामि बन्धनम् ।
यस्यां जातो रतस्तत्र पुनस्तत्रैव धावति ॥ १६

(۱۶) میں سمجھتا ہوں اسے آئینہ دارِ دلکشی (زنجیرِ تناسخ)
ہستیٔ انساں پہ زنجیرِ تناسخ کی کڑی

भगादिकुचपर्यन्तं संविद्धि नरकार्णवम् ।
ये रमन्ति पुनस्तत्र तरन्ति नरकं कथम् ॥ १७

(۱۷) اس کی قامت تا کمر ظلمات سے کچھ کم نہیں (بحرِ ظلمات)
اس بھنور میں ڈوبنے والا ابھرتا ہے کہیں

विष्ठादिनरकं घोरं भगं च परिनिर्मितम् ।
किमु पश्यसि रे चित्त कथं तत्रैव धावसि ॥ १८

(۱۸) جس کی صحبت داریوں کا پُر تعفّن ہے مآل (مکروہ)
اُس طرف کیا دوڑتی ہے لے نگاہِ بدخصال

भगेन चर्मकुण्डेन दुर्गन्धेन व्रणेन च ।
खण्डितं हि जगत्सर्वं सदेवासुरमानुषम् ॥ १६

(۱۹) دلبرِ نازک کمر کی تیغِ ناہنجار کے (ظالم)
مردم و جنّ و ملائک ہیں سبھی مارے ہوئے

देहार्णवे महाघोरे पूरितं चैव शोणितम् ।
केनापि निर्मिता नारी भगं चैव अधोमुखम् ॥२०

(۲۰) بطنِ مستورات ہے یا پُرخطر دریائے خوں (ذلیل)
کس کی قدرت نے عطا کی اسکو موجِ سرنگوں

अन्तरे नरकं विद्धि कौटिल्यं बाह्यमण्डितम् ।
ललितामिह पश्यन्ति महामन्त्रविरोधिनीम् ॥२१

(۲۱) یہ دلِ مکّار لیکر ہے بظاہر خوشنما (ضرر رساں)
دشمنِ تجرید کہتے ہیں اسے اہلِ صفا

अज्ञात्वा जीवितं लब्धं भवस्तत्रैव देहिनाम ।
अहो जातो रतस्तत्र अहो भवविडम्बना ॥ २२

(۲۲) بھول کر آیا یہاں جس کی وساطت سے بشر (دغاباز)
کیا غضب ہے پھر اُسی جانب یہ کرتا ہے نظر

तत्र मुग्धा रमन्ते च सदेवासुरमानवाः ।
ते यान्ति नरकं घोरं सत्यमेव न संशयः ॥ २३

(۲۳) اِنس و جاں ہو یا فرشتہ جس نے اس پر جان دی (جہنمی)
نارِ دوزخ کی سزا ہے اُس کی قسمت میں لکھی

अग्निकुण्डसमा नारी घृतकुम्भसमो नरः ।
संसर्गेण विलीयेत तस्मात्तां परिवर्जयेत् ॥ २४

(۲۴) مرد ہے روغن صفت تو زن ہے آتش کی مثال (آتشیں)

اِس کی حدّت خیز قُربت میں ہوتا ہے نڈھال

गोडी पैष्टी तथा माध्वी विज्ञेया त्रिविधा सुरा ।
चतुर्थी स्त्री सुरा ज्ञेया ययेदं मोहितं जगत् ॥२५

(۲۵) مہوہ گُڑ اور جَو سے میخانوں میں کھنچتی ہے شراب
ناکشیدہ جلوۂ روئے صنم کی ہے شراب

मद्यपानं महापापं नारीसङ्गस्तथैव च ।
तस्माद्द्वयं परित्यज्य तत्त्वनिष्ठो भवेन्मुनिः ॥२६

(۲۶) خوفِ جاں ہے میکشی و ربطِ مستورات سے (پرہیزگاری)
عارفِ کامل کو اِن دونوں سے بچنا چاہیئے

चिन्ताक्रान्तं धातुबद्धं शरीरं
नष्टे चित्ते धातवो यान्ति नाशम् ।
तस्माच्चित्तं सर्वतो रक्षणीयं
स्वस्थे चित्ते बुद्धयः सम्भवन्ति ॥२७।

(۲۷) ضبطِ دل پر منحصر ہے جوہرِ تن کا قرار (نفس کُشی)
نفس کی تحریک سے لیکن وہ ہوتا ہے فرار
اس لئے جس طرح ہو دل کی حفاظت کیجئے
اور اسمیں جلوۂ جاں آشکارا دیکھئے

दत्तात्रेयावधूतेन निर्मितानन्दरूपिणा ।
ये पठन्ति च शृण्वन्ति तेषां नैव पुनर्भवः ॥ २८

(۲۸) یہ صلائے عام ہے دتاتریے مجذوب کا (صلائے عام)
اس کے پڑھنے اور سُننے کا صلہ ہے مخلصی

غزلِ الوداعی

چشم و دل کو پردہ دارِ جلوۂ جاں دیکھیے
کفر و دیں کی ظلمتوں میں شمعِ عرفاں دیکھیے

قلزمِ جذبات کو اُفتاں و خیزاں دیکھیے
ساحلِ احساس پیدا اور پنہاں دیکھیے

مہر و ذرّہ بحر و قطرہ گو ہمہ ہیچ ہیں
پرتوِ نورِ ازل دونوں میں یکساں دیکھیے

پردۂ ذوقِ نظر ہے درمیانِ حُسن و عشق
بے تمنّائے نظر اے چشمِ حیراں دیکھیے

شانِ محذوبی نیازِ عشق سے خالی نہیں
خُشک کانٹے کو گُلِ تر کا نگہباں دیکھیے

بے تکلّف دیکھیے ہر سو مگر یہ شرط ہے
نارِ یکرنگی میں نیرنگی کا فقداں دیکھیے

دیدۂ ارماں مُبارک آپ کو اے زاہدو
باغِ جنّت آبِ کوثر حور و غلماں دیکھیے

لوثِ ہستی سے مُبرّا ہے حیاتِ جاوداں
چشمِ جوہر آشنا سے تیغِ عُریاں دیکھیے

کہہ رہا ہے ہم سے یہ چشمانِ دل کا ارتباط
جلوۂ تثلیث میں توحید پنہاں دیکھیے

درسِ عرفانِ جنوں میں مُشترک ہیں خار و گل
سیرِ گلشن کیجیے سوئے بیاباں دیکھیے

ظاہر و باطن کی میزاں ہے مساواتِ نظر
عینِ اطمینان ہے خوابِ پریشاں دیکھیے

عالمِ امکاں میں گو جنّ و ملک ہیں مُقتدر
خاک کے پُتلے کو دعویٰ دارِ عرفاں دیکھیے

چشمِ جذبِ عشق سے اے تشنہ کامانِ وصال
نزع کی ظُلمت میں نُورِ آبِ حیواں دیکھیے

خوابِ بیداری میں معجز ہے یہی تو دیدنی
ایک شاہد کو دو رُو یہ جلوہ ساماں دیکھیے

مقصد پر علیحدہ شرح لکھی ہے۔ غرض کہ مخزنِ اسرار اُردو علم ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ کتاب کی تقطیع جیبی ہے۔ جلد خوشنما۔ کاغذ لکھائی اور چھپائی عمدہ۔ حجم ۲۴۵ صفحے۔ قیمت فی جلد معہ محصول ڈاک ایک روپیہ سات آنے (عہ؍)

(۲) پیامِ سالک

اُردو نظم میں اشٹاوکرگیتا کا وہ معنی خیز اور دلکش ترجمہ ہے جسے ہر مذہب و ملت کے نکتہ سنج اصحاب علم و ادب میں اضافہ کہہ سکتے ہیں واضح ہو کہ یہ مُتبرک صحیفہ زبان سنسکرت میں بھگوت گیتا کے زمانے سے پیشتر تصنیف ہوا تھا۔ بھگوت گیتا کے تیسرے باب میں راجہ جنک کا تذکرہ موجود ہے اور تاریخ بتلاتی ہے کہ اُن کی دُختر نیک اختر سیتا جی شری مہاراج رامچندر جی کی عقدِ کتخدائی میں آئی تھیں۔ اس اعتبار سے رامچندر اوتار اور کرشن اوتار کے درمیان جتنا عرصہ گذرا ہے۔ اشٹاوکرگیتا کو بھگوت گیتا سے اتنی ہی زیادہ قدامت حاصل ہے۔

قریباً چھ ہزار سال کا عرصہ ہوا کہ متھلا دیش (موجودہ اضلاع بہار) میں راجہ جنک حکمراں تھے اور وہ ایک شاندار سلطنت پر اقتدار رکھتے ہوئے طالب نجات اور فقیر دوست تھے۔ چنانچہ انکی انصاف پسندی اور حق شناسی آجتک ضرب المثل ہیں سامانِ قدرت سے اُنکی ملاقات مہامُنی اشٹاوکر سے ہوئی جو کہ بحیثیت سالک یکتائے روزگار تھے اور جنکی تعلیم رُوحانی نے راجہ مذکور کو مرتاض کامل بنادیا۔ مزید

اور پیر کے سوال و جواب کے پیرایہ میں یہ صحیفہ رموزِ معرفت پر روشنی ڈالتا ہے اور جملہ مسائلِ تصوّف کی تشریح کرتا ہے۔ اس منظوم ترجمہ میں اصل سنسکرت اشلوک اور انکی اُردو تفسیر شامل ہیں۔ نیز اشٹاوکر کے شاعرانہ تخیّل کا بلند مرتبہ دکھایا گیا ہے۔ اسکا حجم ۱۶۰ صفحہ ہے۔ کاغذ لکھائی اور چھپائی عمدہ۔ جلد بندی کپڑے کی قیمت بلا محصولِ ڈاک بارہ آنے (۱۲/)

(۳) ترانۂ مجذوب

اودھوت گیتا کا اُردو اشعار و رباعیات میں پہلا ترجمہ ہے جو کہ ماہ اپریل ۱۹۳۶ء میں چھپکر تیار ہو گیا ہے۔ یہ نادر کتاب زبان سنسکرت میں یدو بنسیوں کے مورث اعلیٰ راجہ یدو کے وقت سے چلی آئی ہے۔ اور اشٹاوکر گیتا سے کچھ ہی بعد کی تصنیف ہے۔ اس میں اتری رشی کے فرزندِ اکبر سوامی دتاتریہ نے علمِ توحید کے شائقین کیلئے اپنے اشراقیہ جذبات کا ترکہ چھوڑا ہے۔ زمانہ حال میں اسکا مطالعہ خاص لوگوں تک محدود ہے۔ عوام کو اس سے دلچسپی نہیں۔ لیکن اس کم توجہی سے اودھوت گیتا کی شان میں فرق نہیں آتا۔ کوئی اسے مجذوب کی بڑ سمجھکر طاقِ نسیاں پر رکھدے۔ مگر دراصل یہ وہ معدنِ لطیف ہے جس میں علمِ ذات کے بیش بہا جواہرات پوشیدہ ہیں اور اہلِ نظر کی تفتیش کے بعد پردۂ راز سے برآمد ہوتے ہیں۔ الغرض یہ کتاب ہر نقطۂ نگاہ سے قابل دید ہے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس نادر کلام کا ترجمہ فارسی، اُردو، انگریزی زبانوں میں آج تک نہیں ہوا۔ اور سنسکرت کے عالموں نے بھی اس پر کوئی شرح نہیں لکھی۔ صرف ایک

نثر کا ترجمہ بزبان بھاشا ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا ہے جسے کاشی نواسی شری پریا تندجی کی کوشش بلیغ کا نتیجہ کہنا چاہیئے۔ اور جس کے مطالعہ سے بھاشا جاننے والوں کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

اودھوت گیتا آٹھ باب پر منقسم ہے اور اسکے ہر باب میں اُس عالم باعمل نے اپنی کیفیت قلبی کا ایک خاص منظر دکھایا ہے۔ ساتھ ہی اس تقسیم میں اُنکے مدارج کا لحاظ رکھا ہے مؤلف نے مندرجہ بالا التزام پر غور وخوض کرکے فہرست مضامین میں ہر باب کا عنوان جداگانہ دیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو اسکی مدد سے معنی ومقصد کے سمجھنے میں آسانی ہو اس منظوم ترجمے میں سب سے پہلے سنسکرت اشلوک دیوناگری حروف میں درج ہے۔ اسکے نیچے ایک شعر میں اُسکا مکمل ترجمہ اُسی بحر میں ہے۔ ان دونو کے بعد اُس شعر کی تفسیر کی گئی ہے ترانۂ مجذوب کی ضخامت ۲۰۰ صفحہ ہے۔ کاغذ لکھائی اور چھپائی دیدہ زیب ہیں۔ کپڑے کی جلد بندی ہے قیمت فیجلد بلا محصول ڈاک ایک روپیہ (عہ)

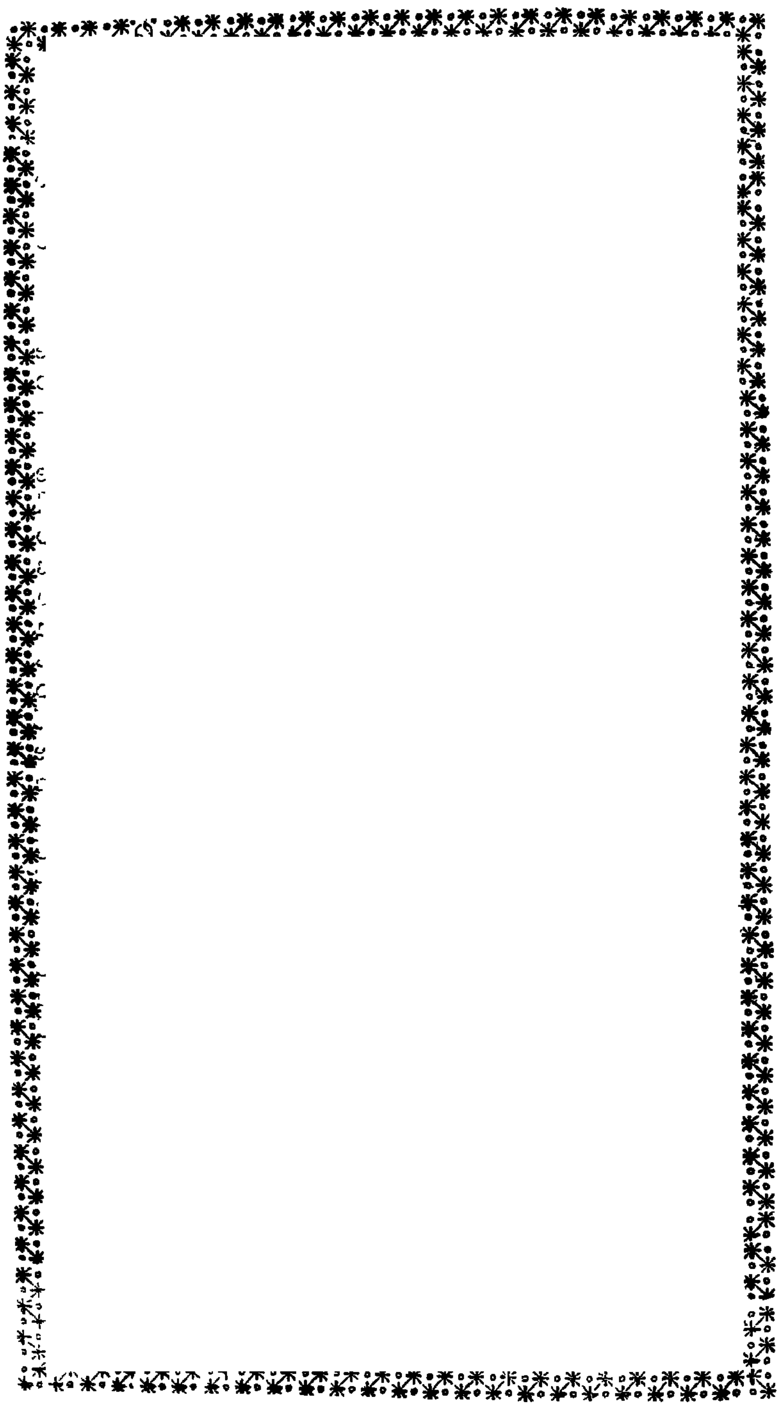
(۴) گلرازِ معانی

ایک جانفزا اور پُر معنی مجموعہ مؤلف کی غزلوں کا ہے۔ جن میں تصوف اور توحید کے مسائل پر طرز جدید سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسکا حجم ۵۰ صفحہ ہے اور اس کی قیمت بلا محصول ڈاک تین آنے (۳/) ہیں

ملنے کا پتہ

پنڈت دینا ناتھ مدن مجبز۔ بی۔ اے

لال حویلی۔ محلہ چوڑیگران۔ دھلی



inspiration therefrom with a view to improve their present lot which is not enviable.

As an optimist I can conceive of a bright future in store for this land of the Rishis whose blood is still running in our veins and reminding us of the glorious past not to be measured by the standard of civilization much talked of in these days.

(7) Any impartial observer can find that there is a general tendency towards materialism in the minds of my country-men who were once distinguished from other nations for their special attainments in spiritualism. This change is mainly due to the secular education imparted to them in schools and colleges where little care has so far been taken to develop their inner life by giving moral and religious teachings. The result is that our youngmen come out of these institutions sufficiently equipped on the intellectual side but wanting in those religious convictions which were dearer than life itself to their ancestors. The struggle for existence has, of course, increased owing to a marked rise in the standard of living caused by imitation of Western methods and unemployment stalking as an apparition on the soil of Aryavarta. There is no knowing when this state of affairs will cease. As far as our own duty is concerned, Sanskrit education is the chief, if not the only, remedy for most of the evils permeating the Indian society. Let us still hope for the best and pray to the Almighty for a steady revival of the Hindu Religion which has remained intact for ages through His benevolence.

Churigaran Street, Delhi,
Dated 16-4-1936.

DINANATH MADAN B.A.
Retired Accountant
P. W. D. Punjab.

(*a*) The latest of them namely Bhagwadgita is meant to cultivate the minds of all grades of seekers after truth in as much as it deals with the Karma theory in the beginning and leads them on to the higher doctrines of Bhakti and Gyan which are counterparts of one and the same whole called Absolute freedom and Everlasting Bliss. The first nine chapters are devoted to the analytic treatment of the subject as distinct from the last nine giving the synthesis thereof in a systematic way. The two processes when combined cover the entire field of knowledge required for establishing a perfect link between the Individual and the Universal Soul.

(*b*) For advanced students of Indian theology whose minds are supposed to be free from the bondage of desires and trained in taking an unbiassed view of the inner working of the spirit, a study of Ashtawakra–gita is both beneficial and necessary. No appreciable change takes place in them beyond the removal of certain doubts which gave them unrest before their initiation into the mystery of the world. In other words they continue to be useful members of the society to which they belong with a higher ideal of life. Half of this book viz ten chapters describe the analytic method of reasoning as opposed to the synthetic one adopted in the latter half.

(*c*) Avdhutgita provides a suitable study for those who having practically renounced the world are bent upon finding solace in monotheism pure and simple. Here also the first four chapters deal with analytic reasoning and the remaining four synthetically expound the highest secrets of Divinity manifested in human body. The aim and object of spiritual teaching is the same in all the three Gitas but their treatment of the subject differs, as they are written to suit the devotees of varying qualifications.

(6) In conclusion I would earnestly appeal to the Indians, both young and old, to select any of the three Gitas as their guide in life, give it a worthy place in their morning or evening prayers and take

Chitrakot where he had settled down after his migration from the happy valley. The author of this poem followed in the footsteps of his father visiting all parts of the Northern India and preaching his doctrine of monotheism to those whom he chanced to meet. A person who was undoubtedly benefitted by his instructions was Yadu, the first ruling prince of Mathura in his own line. Dattatriya had an interview with him as quoted in the eleventh chapter of Bhagwat-puran, a work of later date. That he was a contemporary of Parasar and Vamdev, two other monotheists of great distinction, and of Kapil the compiler of Sankhya philosophy is proved, beyond doubt, by a reference given in the Vishnu-Puran of which Parasar himself was the author.

Avdhutgita deals with introspection as the surest means of attaining salvation and lays much stress on the abstraction of mind and the renunciation of worldly desires. The details of mental faculty rising to the highest spiritual level are given therein with a fervour which is it's own. It is a unique treatise comprising eight chapters with 288 verses and quatrains remarkable for their acuteness of thought and perspicuity of style. You will be surprised to know that this poetical work has not yet been translated into any language, ancient or modern, and it's study is neglected by all excepting a few recluses. For the general public it is a sealed book. I am glad to mention here that a Hindi translation thereof was made in prose by Shri Parmanand, a Sanskrit scholar of Benares and published at the Vankateshwar Press in the year 1927. Having carefully studied the book for about 40 years, I thought it was moral obligation on me to place before the Hindu Community an accurate translation in Urdu verses, giving footnotes to make them intelligible as far as possible. This has just come out of the press and is designated as Taranai-Majzub.

(5) Any description of the three immortal songs would be incomplete until I show their inter-relation in respect of spiritual teachings, intellectual vision and standard of morality.

whispered certain fundamental truths regarding Life and Death into the ears of Arjuna in the battle-field of Kurukshetra and persuaded him to fight in a righteous cause Bhagwadgita deals briefly with the problems concerning Gyan, Bhakti and Karma which are the three components of inner life corresponding to Satwa Rajas and Tamas, the three aspects of the outer existence The object of the author in writing the book was to leave a land-mark for the future generations to tread upon and to save them the trouble of sifting and classifying what was preserved as a hetrogeneous mass in the Upanishads. This sublime work has commanded and will always command the respect of literary men poets and religious teachers so long as Sanskrit language is studied in any part of the Globe.

An earlier work of this age is Ashtawakragita named after it's author Ashtawakra who lived as a saint during the reign of Raja Janak in the Videha territory and was eventually selected as his preceptor in spiritual studies. He preached the gospel of unity in variety and taught the process of reasoning by which that goal could be reached This book is divided into 20 chapters containing 298 verses written in the easiest style compatible with the loftiest ideas and arranged methodically to suit the development of thought expected from it's reader. More than six Indians have translated it into Persian, Urdu and English and the most recent translation is a metric version in Urdu (Payam Salik) made by myself in the year 1932, with an introduction giving the reader a general view of Ashtawakra's transcendental philosophy couched in the finest poetic language.

The third work of extraordinary merit called Avdhutgita was written about the same time by a recluse named Dattatriya, the eldest son of Atriya who was a Brahmin by birth and resident of Kashmir. The latter was a contemporary of Shri Ram Chandra whom he entertained as guest in his hermitage near

epitomes of spiritual teachings and remarkable for their arrangement of subject and conciseness of diction. They are not many in number but three of them are prominent as the literary productions of those master-minds whose conception of the phenomenal world was perfect and insight into the invisible as grand as human intellect could grasp and expound. There is no exaggeration in saying that these Gitas shine like gems in the crown of Sanskrit Literature and as such will always prove a beacon-light to the religious pilgrims who might otherwise be shipwrecked in the sea of worldly surroundings.

The latest poetic composition of great fame is Bhagwadgita occuring in a chapter of the Mahabharat-puran and giving the digest of all teachings in the Upanishads, which being rather diffused required arrangement of thought and clearness of expression This book has been largely serving the purpose for which it was intended, in as much as the Hindu devotees read it eagerly to know the underlying principles of the six philosophies referred to above or in other words to see their apparent differences reconciled in a marvellous manner. It is now looked upon as an authority on the various doctrines relating to the inner life of a Hindu belonging to any sect or creed. No Sanskrit work, past or present, has been translated into so many languages and commented upon by so many scholars as this short and elevating treatise. A translation of the book made by myself in Urdu verses conforming to the original in respect of metres with separate notes on it's theory and practice, is now available for advanced study. This is known as Makhzan-i-Israr or the Repository of secrets published at Delhi in the year 1930. It contains 18 chapters with seven hundred verses composed by that profound Sanskirt scholar and versatile writer named Vyas.

He added lustre to his epitome of the Upanishads by introducing the personality of Shri Krisna who

literary works of great merit commanding respect from the religiously inclined people of this country. These are Yogvasishtha, Vishnupuran and Bhagwatpuran. The first was written by Vasishtha, the famous family priest of Raja Dashrath reigning in Ayodhia and a contemporary of Valmiki the author of Ramayan. The second of the series was composed by Parasar the grandson of Vasishtha who besides possessing the qualifications of free-thinking was a great astronomer. His profound learning can be easily judged from a perusal of this book written in the poetry of rather elaborate [illegible]. The third book was produced by Sukdeva son of Vyas the renowned author of Mahabharata. He was a born philosopher who by his moral eloquence successfully resisted all the attempts of the nymph Rambha to win him over to the path of love.

It is in the fitness of things that I should now refer to the valuable services rendered to the cause of Hindu Religion by the family to which these four persons belonged. Their pedigree runs as Vasishtha, Shakti, Parasar, Vyas and Sukdev. No other family of Brahmins produced such literature of the highest order or tried so [illegible] to preserve what had been passed over to them from earlier times. It was Vyas alone who arranged and reduced to writing the numerous Vedic hymns lingering till then in the memory of hereditary priests and saved them from disappearing through lapse of time.

The present Hindu race is specially indebted to this family for most of the sacred books it possesses and from which it's culture can be traced to it's original source namely the Vedas.

The fourth period also provides us with three other poetical works of great excellence written by the Indian Saints for guidance of those who may desire to solve the problem of life and death and thereby attain everlasting bliss, technically called Salvation.

These are Gitas or divine songs serving as

valour shown by the Indian nation in peace and war times. The highest ideals of moral conduct are brought out in these books with special reference to the lives of the two great personalities namely Prince Ram Chandra son of Dashratha the ruler of Ayodhia and Shri Krishna son of Vasudeo and Deoki, the last named being the sister of Raja Kansa who then ruled over Mathura and it's adjoining districts In these works a flood of light is thrown on the condition of Hindu society in those times which were really separated from each other by a few centuries only.

Many European scholars believe that the History of Indian Civilization does not extend beyond four thousand years. This position taken up by them is, however not tenable in face of the internal evidence supplied by the ancient writings of which the earliest is Rigveda. Moreover it has now become an established fact of the Indian History that the battle of Mahabharat was fought on the plains of Kurukshetra not less than five thousand and five hundred years ago and it is now believed to be the last attempt made by the Aryan race to vindicate their character in truthfulness and bravery. Surely the theory advanced by the majority of Western Scholars that Rigveda came into existence between 4000 1400 B. C. falls to the ground. They are inclined to think in this manner as their own ancestors borrowed the knowledge of different sciences at a later date through Rome, Greece and Egypt which in their turn borrowed the same from India. To give a correct estimate of the above three periods and their distances from the present age, is difficult though by no means an impossible task. Further study of Sanskrit records may lead us to a better and clearer understanding as to the remoteness in time of Rigveda and other classical works which have been assigned later dates from meagerness of historical research.

Reverting to my observations on the fourth period. I consider it proper to mention here three other

coming direct from the Universal Soul to enable an individual to solve the problem of One and Many confronting him everywhere. It's doctrines are summed up in what is popularly known as Vedanta philosophy. As supposed by some people, these are not idealistic in the sense that they refute the reality of this world. On the other hand they present to us the highest phase of Pantheism without which no conception of an Impersonal God can be reached. No philosophy other than Vedanta gives monotheism in it's purest form, as every one of them bears a tinge of duality and holds up the idea of Personal God as distinct from Nature in one aspect or another. All these philosophies are treated as Smritis having the Shrutis as their common source and basing their dogmas on the same final authority. Metaphorically speaking they are the six sides of a concrete object or the six angular views of a scene which admits of this rational classification. They are really meant to convince man as to the truth of what was outwardly described in the first period of Aryan culture and inwardly dealt with in it's second period. Their importance is great, in view of the fact that they serve as a training school for the seekers after truth and lead the way to the development of thought from one stage to another.

4. The fourth period coming last of all embraces all those works which are now called Puranas meaning the historical records. They are 36 in number including the Up-Puranas which may be regarded as further elucidations on the subject. I need not give their names as they are already known to most Sanskrit scholars. They were compiled by learned men, having regard to the exigencies of the time which had hitherto undergone a considerable change in respect of social customs and mode of thinking. Out of this great mass of literature the Ramayna and the Mahabharata are two outstanding works from which an Indian scholar can obtain much useful information. Both are epic poems, voluminous in size and giving a vivid account of the genius and

the literature of the world which may stand up and challenge these lectures in respect of truthfulness of imagery, breadth of vision and poetic insight. They deal with metaphysics which is truly held by the wise men of all ages as furnishing the fundamental laws of existence beyond perception, thus forming the basis of all scientific discoveries that are still in progress.

3. The Shastric period coming third in order of time, is characterised by the feats of those intellectual giants of whom the Indian History may be justly proud. These are the six philosophers named Gautam, Jaimni, Kanad, Patanjli, Kapil and Vyas.

(*a*) Gautam based his philosophy on the authority of the five senses operating in human life and perceiving this world as divided between matter and soul.

(*b*) Jaimni took the mind as his standpoint and dealt with the world as a phenomenon bifurcated in the Visible and the Invisible.

(*c*) Kanad gave us the product of his genius in Vaisheshik Shastra of which the fundamental principle was a discrimation between potential and kinetic energy. He was specially interested in the study of Ego from which all actions proceed.

(*d*) Patanjli compiled the Yog Shastra and thereby explained the process of controlling thought as a means of merging the Individual into the Universal entity.

(*e*) Kapil made us a gift of the Sankhya philosophy. the aim and object of which was to distinguish between the Unreal that is changeable and the Real that does not change. He based his conception of this world on the arguments supplied by the human intellect.

(*f*) Vyas inaugurated a wonderful school of philosophy with reference to the intuition noticeable after the other processes are adopted for purifying and elevating the mind. It is a sort of inspiration

have had no beginning in time and this belief is based on the cardinal principle that the Divine laws revealed in them governed this world from the date of it's creation and even before the advent of man. The language of these works is so archaic and abstruse, that a modern scholar would find it most difficult to arrive at a proper understanding of what has now become enigmatic through remoteness of time and the peculiar ways of expression resorted to by the progenitors of the Indian race. A study of this kind of literature must naturally be confined to those who have acquired thorough knowledge of the Nirukta and other requisites for an advanced student in Sanskrit It is incumbent upon them to throw light on the earliest conceptions of the Indian sages regarding the natural phenomena observed and the inferences drawn by the latter as to the Deity whose manifestations they were.

2. Then comes the second period with a literature containing the results of meditation performed by the Indian devotees and recluses to give a concise view of self-culture, as opposed to the general knowledge embodied in the hymns of the first period. They gave lectures to their disciples at the hermitages and monasteries situated in [illegible] Indian forests and their aggregate number is [illegible] 50, out of which ten are more important than others. These are the Upanishads designated as [illegible] Kena, Kath, Prashn, Mund, Mandukya, [illegible] Chhandogya and Brahdaranyak. Any [illegible] Hindu race can make a special study of these [illegible] for his spiritual uplift. As a matter [illegible] European scholars particularly the Germans [illegible] derived much benefit from studying these [illegible] works of inspiration, imagination and art. [illegible] named [illegible] testified to [illegible] by saying that they were the solace [illegible] would [illegible] of his death [illegible] language is [illegible] to understand owing to [illegible] near[illegible] [illegible] explicit wordings [illegible] nothing [illegible]

literature being practically impossible, the utmost one can do is to specialize in any branch and offer the results of his research in the vernacular with which he is familiar It is too much to expect that Sanskrit would ever become the language of the masses who are now divided in various groups speaking their own dialects. I may add here that these divisions have come to stay and are not likely to disappear for long The only course to be adopted therefore, is to make the contents of Sanskrit literature easy of reach for those who care to know the heights to which the Indian mind had risen in the vast arena of civilization taken in it's proper sense.

From the cultural point of view, the history of India may be divided into four parts namely the Vedic period, that relating to the Upanishads, the Shastric and the Puranic. Broadly speaking this division conforms to the one already given by the Indian sages viz. Satyug. Treta. Dwapar and Kaliyug. As to the length of time covered by each period there is no equality. On the other hand these are described by them as bearing the ratio of 4. 3, 2 and 1 in their intrinsic value, which means that the salient feature of each period has been marked in terms of it's psychological worth.

1. The first period is noted for it's moral and religious activity which in other words signifies direct observation of Nature and it's phenomenona, coupled with an argument leading to their Final cause. The earliest product of this activity is Rigveda followed by three others named Yajur, Sam and Atharvan All the four taken together form a store-house of knowledge regulating the different spheres of human life and just enough to meet the needs of simple living and high thinking These were originally contributed by the inspired Rishis of old whose names are yet borne on their respective compositions. So far as their antiquity is concerned, they are believed by the Hindus to

5. It's pronunciation has the distinctive feature of symphony or rythm of sound not to be found elsewhere.

6 It contains within it's wide scope many rare works that compare favourably with any contributed by the genius of other nations during the past several centuries.

7. Last but not the least important is the fact that the refined literature in Sanskrit comprises the most precious heritage left by their ancestors to the present Hindu race for guidance in all the departments of life. physical, social, intellectual and spiritual.

A careful study of this language containing as it does the above mentioned works, should therefore prove most beneficial to the general public and the Hindu community in particular. Unfortunately the ravages committed by Time in the shape of social convulsions, religious upheavals and foreign invasions have much reduced it's range in every branch of learning but there is enough material yet remaining for a systematic study of the essential principles by the antiquarian, the scholar and above all the seeker after truth. A remodelling of the Hindu life both in thought and practice in the light of the ancient literature and the national character depicted therein (which has had no parallel in the history of mankind) with due regard of course to the altered conditions and circumstances is only possible by learning Sanskrit and translating it's sacred books into our vernaculars. The total number of Sanskrit books that still exist is more than ten thousand and this in itself furnishes proof of the great intellectual activity displayed by the Indians since the dawn of history. I do not mean that all these books are equally useful to a student of Sanskrit literature but their importance as historical records is great indeed, as they form a beautiful link of association between one generation and another A comprehensive study of the

Sanskrit Literature,

A Sure Guide to Hindu Life.

Having chosen Sanskrit as my second language for the educational career and continued it's studies as far as possible during the long period of Government service with a passionate desire to render into vernacular some of the best works written in that language, I find much satisfaction in stating that I have finished the metric translation of Avdhutgita in Urdu which is the latest literary effort of mine. It is worthwhile that I should now give a bird's-eye-view of the books which are of great importance to my countrymen interested in the study of Sanskrit literature.

No student of the Indian History will deny the following facts which have to be duly weighed before undertaking a research in the field of self-culture and civilization attained by the Indian race from time immemorial.

1. Sanskrit has been a dead language for the past two thousand years, in as much as it has ceased to be spoken by the people inhabiting the Indain Continent.

2. It is, however, widely understood by the learned as forming a common basis for the dialects now spoken in different provinces.

3. It is a language governed by the aphorisms compiled by no less a grammarian than Panini, whose analysis of the subject was as complete as human effort could make it.

4. It is the only language of which the alphabet is scientifically arranged in groups capable of no further improvement.